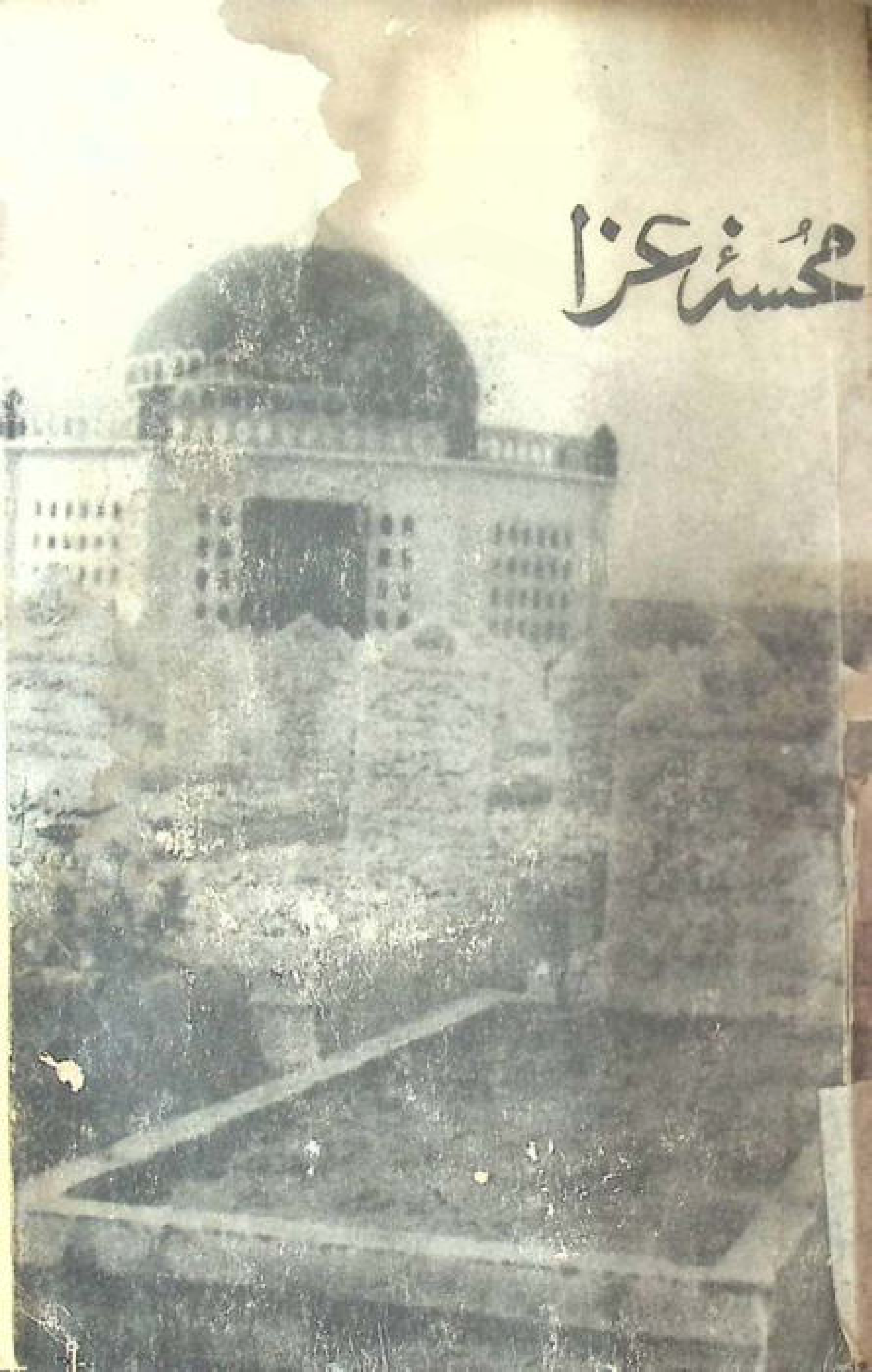
محسنِ عزا



براہِ مہربانی

صفحہ ۲۵۲ پر

صحت نامہ

دیکھ کر غلطیاں درست فرمالیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطیبۂ محمد و آل محمد سیدہ عصمت بیگم اعلی اللہ مقامہا

کی برسی کے موقع پر!

مجلۂ عزا

منجانب

سید ظہیر حسن نقوی

پسرانِ مرحومہ، سید محسن اختر نقوی۔ سید ضمیر اختر نقوی۔ سید تنویر اختر نقوی
دختران مرحومہ، سیدہ شہناز نقوی۔ سیدہ پروین نقوی۔ سیدہ نسرین نقوی

۴۔ ایچ رضویہ سوسائٹی۔ کراچی ۱۸

سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ

اٰيَاتُهَا ٧ — رُكُوْعُهَا ١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۱﴾ الرَّحْمٰنِ

الرَّحِيْمِ ۙ﴿۲﴾ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؕ﴿۳﴾

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؕ﴿۴﴾

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ﴿۵﴾ صِرَاطَ

الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ﴿۶﴾ غَيْرِ

الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿۷﴾ ع

ایک سورہ فاتحہ

برائے ایصالِ ثواب

خطیبۂ اہلِ بیت

سیدہ محسنہ بیگم نقوی

اعلی اللہ مقامہا

بنتِ سید ظفر عباس نقوی اعلی اللہ مقامہ

طابع ــــــــ تاج آرٹ پریس کراچی

کتابت ــــــــ سید فیاض علی

ناشر ــــــــ سید محسن اختر نقوی

ہدیہ ــــــــ ایک سورہ فاتحہ

سرورق کی تصویر
جنت البقیع میں قبر محسنہ بیگم

سالِ اشاعت ۱۹۷۵ء

خطیبۂ آلِ محمدؐ سیدہؑ محسنہ بیگم نقوی اعلیٰ اللہ مقامہا کا

شجرۂ نسب

حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام

شیث — انوش — کنعان — مہلائیل — الیارد — اخنوخ — متوشلخ

ملک — نوح نبی اللہ — سام — ارفخشد — شالخ — عابر — قانع

ارغو — شروغ — ناخور — تارخ — ابراہیمؑ — اسمٰعیل — قیدار

جمل — نبت — سلامان — ہمیسع — الیسع — عود — عدنان

معد — نزار — مضر — الیاس — مدرکہ — خزیمہ — کنانہ

النضر — مالک — فہر — غالب — لوی — کعب — مرہ

کلاب — قصی — عبد مناف — ہاشم — عبدالمطلب

عبدالمطلب: عبداللہ، ابوطالب

عبداللہ: حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

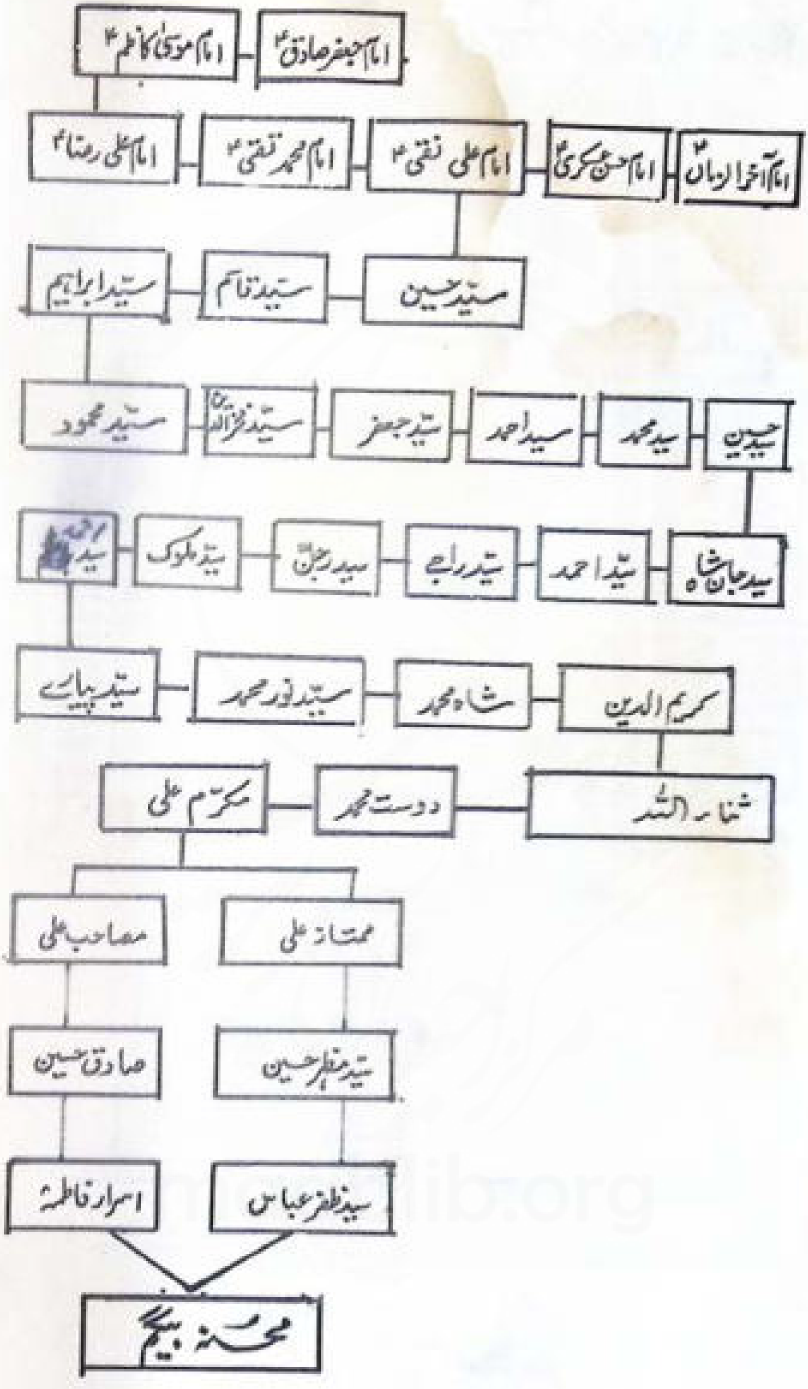
ابوطالب: حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام

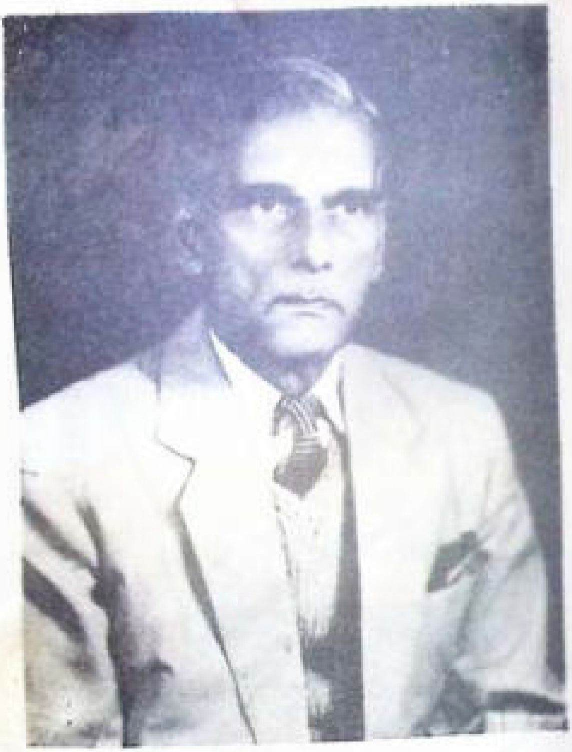
جناب فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا

امام حسن علیہ السلام — امام حسین علیہ السلام

فاطمہ بنت حسنؑ — امام زین العابدینؑ

امام محمد باقرؑ


امام جعفر صادقؑ
امام موسیٰ کاظمؑ
امام علی رضاؑ
امام محمد تقیؑ
امام علی نقیؑ
امام حسن عسکریؑ
امام آخر الزماںؑ
سید حسین
سید قاسم
سید ابراہیم
سید محمود
سید فخر اللہ
سید جعفر
سید احمد
سید محمد
سید حسین
سید جان شاہ
سید احمد
سید راجے
سید رجنؒ
سید ملوک
سید رحمت
سید پیارے
سید نور محمد
شاہ محمد
کریم الدین
شکر اللہ
دوست محمد
مکرم علی
ممتاز علی
مصاحب علی
سید مظفر حسین
صادق حسین
سید ظفر عباس
اسرار فاطمہ
محسنہ بیگم



محسنہ بیگم کے والد ماجد
جناب سیّد ظفر عباس نقوی عرف دلشاد اعلی اللہ مقامہٗ
بی اے (آنرز) ایم اے ایل ایل بی



محسنہ بیگم کے خسر معظم
جناب سید دیانت حسین نقوی اعلی اللہ مقامہ
رئیس قصبہ مصطفےٰ آباد ضلع رائے بریلی



محسنہ بیگم کے شوہرِ محترم

جناب سیّد ظہیر حسن نقویؒ



محسنہ بیگم کے برادرِ عزیز
میجر سیّد شاہد عباس نقوی



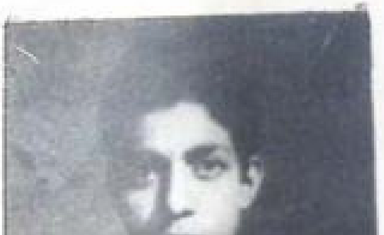
محسنہ بیگم کے فرزندِ اکبر
سید محسن اختر نقوی



گلزار محسنؔ



محسنہ بیگم کے برادرِ عزیز
سید مظاہر عباس نقوی



محسنہ بیگم کے منجھلے فرزند
سید ضمیر اختر نقوی



محسنہ بیگم کے چھوٹے فرزند
سید تنویر اختر نقوی



[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

آمد بارات و عقد .... ۱۵ نومبر ۸ بجے شب

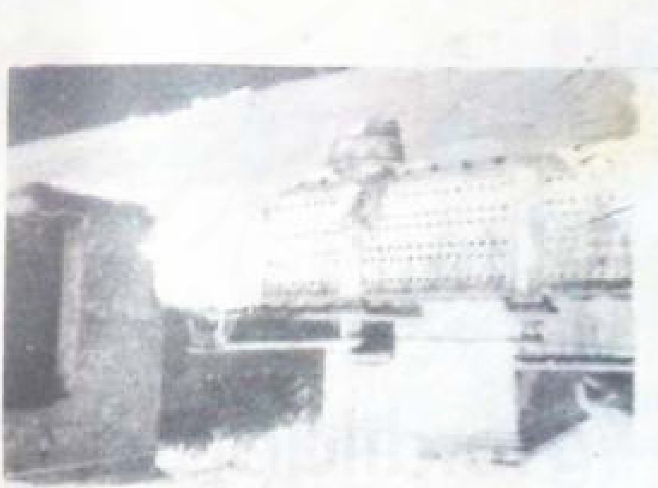
تناول طعام .... ۱۵ نومبر ۸½ بجے شب

رخصتی .... ۱۶ نومبر ۲ بجے دن

المشتاق

سید غلام سبطین عفی عنہ خیرآباد سلطان پور

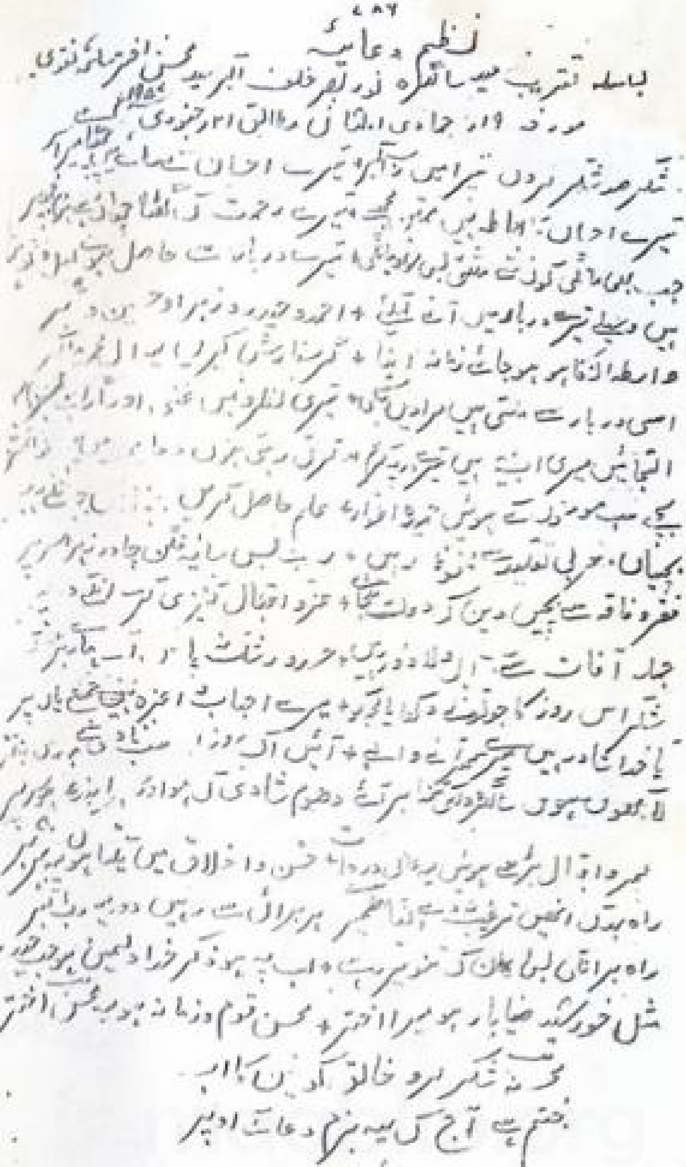
محسنہ بیگم کی شادی کا دعوت نامہ



محسنہ بیگم کے والد کا مکان "خیر آباد" سلطان پور

کی امید نہیں۔ وجود و عدم دو برابر کے نمبروں کے نام سُن
لئے ہیں یقین ہے کہ جب چاہیں گے ادھر سے ادھر اٹھا کر
بچھا دیں گے۔ وہ انسان کیا دنیا کا اعتبار نہیں اور عدم کا سواد
آنکھوں سے معدوم ہے۔ دنیا کے طالع کا ڈوبتا ہوا ستارہ
اُتنا ہی قیام پذیر ہے جیسے وجود کی جیم کا مٹتا ہوا نقطہ کہ اسے
دونوں طرف عدم کی سیاہی گھیرے ہوئے ہے اور عدم کے نامعلوم
خیالات سے دل کا صفحہ ایسا ہی سادہ ہے جیسے خود لفظ
عدم نقطوں سے خالی ہے۔ موت کا نام بہت خوفناک ہے
ہر زبان میں اثر ہو تو سننے والے کے لئے یہ نام ہی موت
ہے ہماری زبان میں تو اتنی طاقت اور اتنا اثر کہاں
ہاں امام حسن عسکری کے پاس حضرت کے ایک مصاحب خاص
جن کا نام اسحاق تھا حاضر ہوئے دور دراز سفر طے کیا ہے
جس طرح مسافر منزل پر پہنچ کر خوش ہوتا ہے جس طرح تشنہ
دہ کو سوادِ شہر بھلا معلوم ہوتا ہے یوں ہی اسحاق کو یہ
منظر نہایت اچھی لگی دیکھ کر شاد ہو رہی ہے جو ہدیہ اپنے
ہمراہ لائے تھے امام کے سامنے پیش کئے۔ فاطمہ زبیر آئے

محسنہ بیگم کا عکسِ تحریر


نظم دعائیہ

بسلسلہ تقریب میں سالگرہ نور نظر خلف اکبر سید محسن [illegible]

مورخہ ۱۹ جمادی الثانی مطابق ۲۱ جنوری [illegible]

[illegible]

ختم ہے آج کی یہ بزم دعا [illegible]

تمام شد

محسنہ بیگم کی ایک نظم کا عکس تحریر



محسنہ بیگم کے نام اُن کے والد کا ایک خط

راولپنڈی ۸۶ء

۲۰ نومبر

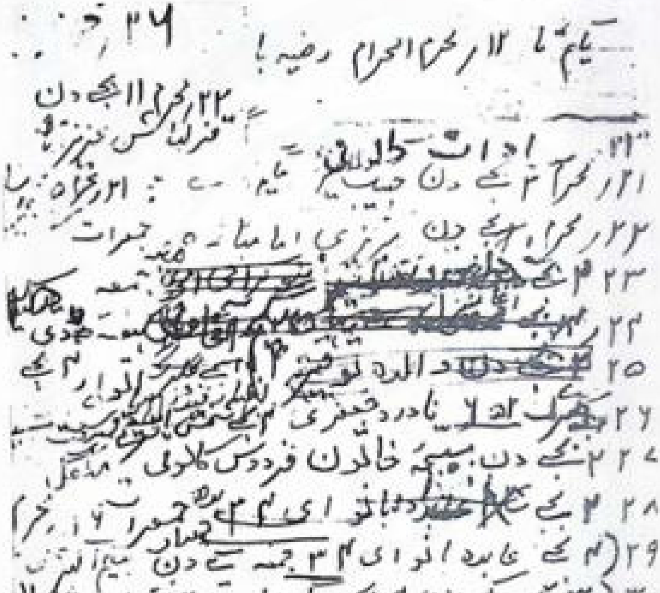
پیارے عزیز ... [illegible]

کل تقریباً ۴ بجے شام ہم یہاں پہنچے۔ والدہ صاحبہ قبلہ
سفر آخرت کی مکمل تیاری کر لی تھی صرف میرا اور [illegible]
ہی منتظر تھیں [illegible] اور یہی خواہش
[illegible] نظر آخر ہم نے دیکھا اور پھر مرحومہ سپرد
خاک کر دی گئیں۔ سفر [illegible] بڑا اچھا [illegible] سفر
[illegible] اپنے بیچ جو ہم آئے [illegible] ضرور [illegible]
فوراً روانہ کر دو یعنی میرا بستر چادر وغیرہ [illegible]
[illegible] جیب میں [illegible]
[illegible] بھیجے ہیں [illegible] میں [illegible]
[illegible] ہو گئی۔ امید ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے تم سب
[illegible] ہو گے۔ [illegible] خط کا انتظار [illegible]
اپنی سب کی خیریت سے مطلع کرتے رہو [illegible]
[illegible] ہے۔ کل [illegible]
یہاں آج نصف [illegible]
اور [illegible] کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

قاسم کا خیال رکھنا [illegible]
نرمی اور خوش اخلاقی سے پیش آنا
تاکہ وہ پریشان نہ ہوں

فقط دعا گو تمہاری امی

محترمہ بیگم کا ایک خط بیٹے کا نام



حسنہ بیگم کی ڈائری کا ایک ورق جس میں مجالس کے اوقات لکھے جاتے تھے

۷۸۶

دُعائے عہد نامہ

حسبِ ارشاد قائم آلِ محمدؐ

مُقدمہ

بیگم سید ظہیر حسن نقوی وزیر گنج

ملنے کا پتہ

متصل سٹی اسٹیشن، محلہ وزیر گنج
مکان ۴/۴۴ ال پی روڈ
لکھنؤ (یوپی)

سرفراز قومی پریس لکھنؤ

محسنہ بیگم نے یہ کتاب لکھنو میں چھپوا کر مومنات میں تقسیم کی تھی

مجلسِ چہلم

یکسر خلوص و مہر و وفا محسنہ ظہیر
فرش عزائے شہ سے بہ درگاہِ فاطمہؑ

دل سے فدائے آلِ عبا محسنہ ظہیر
[illegible] محسنہ ظہیر

۸ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ مطابق ۲ اپریل ۱۹۹۲ء کی صبح جب نمودار ہوئی تو وہ دن یوم جمعہ تھا، آخری دن تھا اور یوم شہادت امام حسن عسکری علیہ السلام۔ کون کہہ سکتا تھا کہ [illegible] محسنہ خاتون کی زندگی کا بھی آخری دن ہے۔ [illegible] سید الشہداء [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] امام حسن عسکری کی شہادت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

۲۸ اپریل ۱۹۹۲ء بروز اتوار ٹھیک ۹ بجے صبح
بمقام امام بارگاہ رضویہ سوسائٹی شاہ کربلا ٹرسٹ مجلس سید الشہداءؑ منعقد ہوگی

قرآن خوانی ——— ۹ بجے صبح

نذرانۂ عقیدت بیاد مرحومہ : [illegible]

سوز خوانی : عالی جناب سید [illegible] نقوی [illegible] امروہوی

ذاکری : خطیب اہلبیت علامہ [illegible] حسن نجفی مدظلہ العالی

——— خواتین کیلئے ———

مجلس سوم و قرآن خوانی امام بارگاہ رضویہ میں ٹھیک ۱ بجے دن منعقد ہوگی۔
محترمہ بیگم [illegible] ذاکری فرمائیں گی اور سوز خوانی محترمہ بیگم مصطفےٰ [illegible] فرمائیں گی۔

——— سوگواران ———

سید ظہیر حسن نقوی

پسران : سید محسن اختر نقوی، سید ضمیر اختر نقوی، سید تنویر اختر نقوی و دختران

روزنامہ جنگ کراچی

THE DAILY JANG KARACHI

مجلسِ سوئم

سیدہ محسنہ بیگم نقوی، بیگم ظہیر حسن (والدہ ضمیر اختر نقوی) ذاکرۂ اہلبیتؑ
کی مجلس سوئم آج ۴ اپریل شام چار بجے بمقام امام بارگاہ رضویہ سوسائٹی منعقد ہوگی
قرآن خوانی کے بعد عالی جناب سید منتظر عباس نقوی
مجلس سے خطاب فرمائیں گے، سوز خوانی جناب خالق حسین رضوی کریں گے۔
خواتین کیلئے مجلس و قرآن خوانی امام بارگاہ رضویہ میں ٹھیک ۲ بجے منعقد ہوگی
ذاکرۂ محترمہ بیگم مولانا منتظر مہدی خطاب فرمائیں گی۔ سوز خوانی محترمہ بیگم مصطفیٰ کریں گی
مجلس سے پہلے مرحومہ کی تقریر کا ٹیپ سنایا جائے گا۔

سوگواران

سید ظہیر حسن نقوی، سید محسن اختر نقوی، سید ضمیر اختر نقوی، سید تنویر اختر نقوی و دیگر رشتہ داران

HURRIYET

حریت

روزنامہ حریت کراچی

بانی فخر ماتری

قیمت ۳۰ پیسے

سید ضمیر اختر نقوی کی والدہ کا چہلم

کراچی ۲۵ اپریل سید ضمیر اختر نقوی کی والدہ خدا کردہ اہل بیت محسنہ ظہیر کی مجلس چہلم ۲۸ اپریل کو ۹ بجے صبح امام بارگاہ رضویہ سوسائٹی میں منعقد ہوگی، ابن حسن نجفی خطاب کریں گے۔ خواتین کے لئے ایک بجے دن امام بارگاہ رضویہ سوسائٹی میں مجلس عزا اور قرآن خوانی ہوگی۔ بیگم ہادی رضا ذاکری کریں گی۔

مشرق

سید ضمیر اختر نقوی کی والدہ کی مجلس چہلم

کراچی، ۲۲ اپریل۔ والدہ سید ضمیر اختر نقوی محترمہ محسنہ خاتون مرحوم کے چہلم کی مجلس ۲۷ اپریل کو ۹ بجے صبح امامبارگاہ رضویہ سوسائٹی میں منعقد ہوگی جس میں تاریخہائے وفات نفیس فتح پوری، سجاد رزمی، عزت لکھنوی، ثمر ہوشنگ آبادی، سردار نقوی، ہلال امروہوی پیش کریں گے۔ اور سید آباد محمد نقوی، زائر امروہوی سوزخوانی اور خطیب اہل بیت علامہ ابن حسن نجفی ذاکری کریں گے۔ خواتین کے لئے مجلس اور قرآن خوانی امامبارگاہ رضویہ میں ۱ بجے دن منعقد ہوگی جس میں محترمہ بیگم ہادی رضا ذاکری اور سوزخوانی محترمہ بیگم مصطفےٰ علی کریں گی۔

قومی آواز

QAUMI AWAZ

مجلس برائے ایصال ثواب نجمہ نقوی مرحومہ

جمعہ روز سے لکھنؤ میں تیجہ کے دن مجالس پڑھی گئیں
ان کا انتقال کیا یک مجلس ہی میں فاتحہ پڑھتے
وقت ہو گیا۔ مرحومہ کے ایصال ثواب کی
مجلس ۱۵ مئی ۱۹۷۸ء بوقت ٹھیک ۷ بجے صبح
امام باڑہ ڈپٹی محمد عظیم حضرت گنج لکھنؤ میں ہوگی
اور ڈاکٹر مولانا سید کلب صادق
صاحب قبلہ ذاکری فرمائیں گے۔

ظہیر حسن نقوی و صاحبزادگان

سیّد ہاشم رضا

"ہمارے منزل" کراچی
۲۴ ؍اپریل ۱۹۷۳ء

عزیز ضمیر اختر، دعائیں

آپ کی والدہ ماجدہ کی رحلت کا علم ہوا، اِنّا للہ ..... خدا مرحومہ کو جناب سیّدہؑ کے قدموں میں جگہ دے اور آپ کو اور آپ کے والد ماجد اور بھائی بہنوں کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ مرحومہ نے جس طرح اپنی جان، جانِ آفریں کے سپرد کی۔ خدا ہر مومن اور مومنہ کو ویسی ہی توفیق عطا فرمائے۔

شریکِ غم
سیّد ہاشم رضا

مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی

"مُغل پورہ" لاہور
۴ رمئی ۱۹۷۳ء

محترمی جناب ضمیر اختر صاحب

سلام مسنون

آپ کی والدۂ ماجدہ کی خبرِ وفات سے دکھ ہُوا، وہ مومنہ، ذاکرہ، سیدہ اور بارگاہِ خدا میں مقرب خاتون تھیں۔ پروردگارِ عالم بطفیل محمدؐ وآلِ محمد علیہم السّلام مرحومہ کے درجات بلند فرمائے اور جوارِ معصومہؑ عالم میں قربِ خاص سے مفتخر فرمائے۔

یہ سانحہ آپ حضرات کے لئے واقعاً دلدوز اور غم انگیز ہے مگر اس کا مداوا بھی آپ جانتے ہیں صبر جو رضائے الٰہی کا باعث ہے اور ذکرِ مظلوم جو ذریعۂ شفاعت ورحمت ہے۔

میری طرف سے اپنے والدِ بزرگوار کی خدمت میں پس از سلام تعزیت عرض کریں اور بھائی صاحبان سے سلام اور پیامِ تلقینِ صبر۔ خداوندِ عالم ہر غم سے محفوظ رکھے اور مرحومہ اعلی اللہ مقامہا کو مغفرتِ خاص سے مختص فرمائے۔

شریکِ غم

سید مرتضیٰ حسین عفی عنہٗ

ضیاء الحسن موسوی

"شفاخانہ امراضِ قلب" کراچی

۲۸ر اپریل سنہ ۱۹۷۴ء

برادرم ضمیر اختر صاحب!

تقریباً ایک ہفتے سے علیل ہوں اور ڈاکٹروں نے ہلنے جلنے سے بھی منع کر دیا ہے۔ آپ کی والدۂ مرحومہ کی مجلسِ چہلم میں شرکت نہیں کر سکتا۔ تیمم کر کے چند سورے اُن کی روح کو ہدیہ کر دیتے ہیں۔ مگر آپ سے جو دلی ربط ہے اُس نے رات کو ایک قطعۂ تاریخ کی شکل اختیار کی ہے۔ اگر مجلس سے پہلے کوئی پہنچانے والا آ گیا اور یہ پڑھ دیا گیا تو خیر، ورنہ آپ کے والدِ محترم اور آپ سب پسماندگان کی نظر سے گزر جائے یہی کافی ہے۔

طالبِ دعائے صحت

ضیاء الحسن موسوی

ڈاکٹر سبطِ حسنؔ رضوی

"سٹلائیٹ ٹاؤن" راولپنڈی
۶ رمئی ۱۹۷۳ء

میاں ضمیر اختر صاحب

دعائیں

آپ کی والدہ کے انتقال پُر ملال کی خبر سے جو دلی صدمہ ہوا ہے وہ کیا لکھوں۔ والدین دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ بلا کسی علالت کے اچانک طور سے یہ سانحہ پیش آیا۔ آپ خود فہیم ہیں۔ "مرا ئی اُنیتش" میں اس کا مداوا ہے۔ خداوندِ عالم اُن کو جوارِ رحمت میں جگہ دے اور آپ لوگوں کو صبرِ جمیل مرحمت کرے۔ والد صاحب کی خدمت میں بعد سلام پیامِ تعزیت پہنچا دیجئے۔ تنویر اختر میاں کو بعد دُعا کے یہ مضمون تعزیت سُنا دیجئے۔

یہاں ہمارے گھر میں سب مغموم ہیں۔ وہ مرحومہ یہاں آتی تھیں اور ہمارے یہاں حدیث بھی پڑھی تھی۔ وہ ذاکرہ تھیں اور یقیناً اُن کے مدارج بلند ہوئے ہوں گے۔

شریکِ غم
سبطِ حسن و بیگم سبطِ حسن

سیّد حسن یاور نقوی

"لونگ اسٹون" زمبیا افریقہ
۲۱ رمئی ۱۹۷۴ء

موت سے کس کو رستگاری ہے؟   آج وہ کل ہماری باری ہے

برادرم ظہیر صاحب۔   سلام علیکم

جمن سلمہٗ کا خط آج صبح ایک جانکاہ خبر لے کر پہنچا۔ دل پر ایک چوٹ لگی اور ہم سب ہی بے چین ہو گئے۔ لکھنؤ کی زندگی بھابی جان کا مجلسیں پڑھنا اور تمام مستورات میں ان کی تعریفیں اُن کا خلوص اور ملنساری۔ سارے مناظر نگاہوں کے سامنے سے گزرنے لگے۔

اُن کا ذاکرِ حسینؑ مظلوم ہونا اُن کی مغفرت کا ضامن ہے۔ مگر آپ کو کس طرح سمجھاؤں آپ کے دل کے زخموں پر کیسے مرہم رکھوں۔ زندگی بھر کا ساتھ چھوٹ گیا۔

بھیا میں یہی کہوں گا کہ غمِ حسینؑ کا سہارا لیجئے۔ حسینؑ کی فدائی

تھیں۔ اُن ہی کے دربار سے رُخصت ہو کر اُن کے پاس پہنچ گئیں۔ کربلا کے واقعات یاد کیجیے اور صبر کا دامن ہاتھ سے مت چھوڑیئے۔

میں اور آپ کی بھابھی صاحبہ آپ کے غم میں شریک ہیں۔ اللہ پاک آپ کو اور بچوں کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

جمّن میاں کو یہ روح شکن خبر پردیس میں پہنچی — نہ معلوم کراچی پہنچنے پر اُن کا کیا حال ہو گا۔

اس گھر کا تصوّر کر کے ہی دل کانپ جاتا ہے جس کی گھر والی سب کو چھوڑ کر رُخصت ہو گئی ہو۔

اللہ پاک آپ سب کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

شریکِ غم آپ کا بھائی
یاور

مرزا واجد حسین

(ایڈوکیٹ ہائی کورٹ لاہور)

"چوھرروڈ" لاہور
۱۷ مئی ۱۹۷۴ء

آج وہ کل ہماری باری ہے
موت سے کس کو رستگاری ہے

بھائی ظہیر صاحب آپ کی بیگم صاحبہ کے انتقال کی یکایک خبر سن کر ہم لوگوں کو بے حد صدمہ ہوا۔ اس وقت آنکھوں میں لکھنو کی صحبتوں کا نقشہ سامنے آگیا اور پرانی یادیں تازہ ہوگئیں۔ اس وقت ہم لوگوں کی آنکھیں بھی فرطِ غم سے اشک آلود ہوگئیں۔ پھر آپ لوگوں کو جتنا بھی غم ہو کم ہے۔ میری اہلیہ کو اس کا بیحد صدمہ ہے کہ لکھنو کے بعد یہاں کراچی آکر بھی اُن سے ملاقات نہ ہوسکی۔ یقین جانئے جب بھی یہاں لکھنو کے دوستوں اور اہلیہ کی سہیلیوں کا ذکر ہوتا۔ آپ اور مرحومہ دونوں کا نام سرفہرست رہتا۔ خلوص و محبت نے عزیزوں سے زیادہ ہم لوگوں کو قریب کر دیا تھا۔ بیگم تو ہر وقت لکھنو میں بھی اور یہاں بھی مرحومہ کے خلوص و محبت اُن کی خوش مزاجی، ہمدردی اور جذبہ ایمانی کی تعریف کیا کرتی تھیں۔ آج ہم لوگوں کو ایک ایک کرکے

سب باتیں یاد آرہی ہیں۔ مرحومہ نے اپنے بچوں کی پرورش اور ان کی اعلیٰ تربیت کو بھی اپنا شعارِ زندگی بنا رکھا تھا اور ماشاء اللہ سب بچے بہت ہونہار، سعید اور ملنسار واقع ہوئے لیکن افسوس اِس کا ہے کہ مرحومہ نے چمن لگایا۔ لیکن اِس کی بہار نہ دیکھ سکیں۔ باغ لگایا۔ لیکن اس کی بہار نہ دیکھ سکیں۔ باغ لگایا۔ لیکن اُسے پھلتے پھولتے نہ دیکھا۔ آہ! مرحومہ کتنی حسرتوں، آرزوؤں اور تمناؤں کو دل ہی میں لے کر رخصت ہوگئیں۔ جہاں زندگی محبت و پیار میں گزری ہو وہاں جیون ساتھی کا جدا ہونا ایک المناک سانحہ ہوتا ہے اور پھر ایسا جیون ساتھی جو وفا و محبّت کی جیتی جاگتی تصویر ہو اِس کا بچھڑ جانا زندگی کی گاڑی کا جب ایک پہیّہ نہ ہو تو گاڑی کھینچنا کتنا دشوار ہو جاتا ہے۔ کس دل سے کہوں کہ صبر کیجئے۔ ہمارے لئے تو واقعاتِ کربلا اور غمِ حسینؑ ایک ایسا غم ہے جو ہمارے غموں کو بھلا دیتا ہے۔ مرحومہ کی موت جس جگہ اور جس حالت میں ہوئی اِس سے اِن کے جذبۂ ایمانی اور محبتِ اہلِ بیتؑ کا پتہ چلتا ہے۔ یہ بھی مرحومہ کی ایک بڑی خوش قسمتی تھی۔

اللہ ائمہ معصومین کے صدقہ میں مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ (آمین)

شریکِ غم

واجد حسین مرزا

سیّد علی حسنین نقوی شیدا

(مرحومہ کے ماموں زاد بھائی)

"سٹلائٹ ٹاؤن"، راولپنڈی

۲۲ر اپریل ۱۹۷۴ء

برادرِ محترم۔ سلام مسنون

بُعدِ منزل حائل ہے ورنہ میں بھی حاضر ہو کر ہمشیرہ عزیزہ کی قبر پہ اشکوں کی چادر چڑھاتا۔ حالانکہ مرحومہ سے وعدہ تھا کہ میں جمن سلمہ کی شادی کے موقع پر انھیں سہرا پڑھ کر سناتا۔ آپ کا خط پڑھتا جا رہا ہوں اور اشک جاری ہیں۔ والدہ چندن سلمہا نے بھی بڑا اثر لیا ہے اور ہر وقت غمگین رہتی ہیں۔ میرے دوست احباب اور اُن کی مستورات جو بھی سنتا ہے بیحد ملول ہوتا ہے اور تعزیت دینے آتی ہیں۔

دل کو یقین نہیں آتا کہ جس پُرخلوص اور شفیق بہن کو ابھی چند دن قبل ہی ہنستا بولتا چھوڑ کر آیا ہوں وہ اب ہمارے درمیان

نہیں رہی۔ ایسی مومنہ کہ ساری عمر ذکرِ سیّد الشہداء میں گزار دی اور آخری وقت بھی فرشِ عزائے حسینؑ کو پسند کیا۔ وہ یقیناً شہیدِ راہِ حق اور جنت میں معصومہ عالمین کی خدمت میں موجود ہوں گی اور زندہ ہیں اور قرآن کی رُو سے اپنی غذا حاصل کر رہی ہیں اور ہماری پریشانیوں اور غم کو دیکھ رہی ہیں مگر ہم خود اُنھیں نہیں دیکھ سکتے۔ افسوس ہزار افسوس کہ چمن میں بہار آتے ہی مرحومہ حسرت لئے ہوئے سدھار گئیں۔ جس قدر بھی غم کیا جائے وہ کم ہے۔

جن حالات میں مرحومہ کا انتقال ہُوا ہے اُس سے میں نے یہی نتیجہ نکالا ہے کہ مرحومہ یقیناً شہداء میں اور درجۂ شہادت پر فائز ہونے میں کوئی بھی شک و شبہ نہیں ہے۔ اُن کی ذاکری، اُن کی عبادت اور عزاداری یقیناً مقبولِ درگاہِ خداوندی ہوئی۔ خدا یہ شرفِ قبولیت اور سعادتِ دارین ہم سب کو عطا فرمائے۔

اب تو ساری عمر ہم سب کو یہ داغِ مفارقت سہنا ہی پڑے گا۔ ہم سب آپ کے حادثۂ عظیم میں برابر کے شریک ہیں۔

فقط والسلام

سیّد علی حسین شیدا

میجر شاہد عباسؔ

(مرحومہ کے چھوٹے بھائی)

"لائن روڈ" جہلم
۳ر اپریل ۱۹۷۴ء

بھائی جان، آداب!

ابھی ٹیلیفون پر ممتن نے جو خبر جانکاہ دی ہے اُس کا تاحال یقین نہیں آرہا۔ کیا ہُوا، کیوں کر ہُوا؟ کیا آپا بھی ہم کو چھوڑ کر چلی گئیں؟ انہوں نے پردیس میں بیٹھے ہوئے بیٹے کو بھی آنے کی مہلت نہ دی۔ یا بہو گھر میں چھوڑ جاتیں یا پھر لڑکیوں کو ہی رُخصت کر لیا ہوتا۔ کس کو تسلّی دی جائے۔ کس کو سمجھایا جائے۔ بس رضائے حق کے آگے سر جھکانے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

وقت سب سے بڑا معالج ہے اور ذاتِ خداوندی مسبب الاسباب ہے۔ خُدا سے ہی دست بدعا ہوں اور اسی سے مہربانیوں کی توقع ہے کہ جملہ متعلقین کو صبرِ جمیل عطا ہو۔

خاکسار

شاہد

خالہ حامدہ

"لندن"

پیاری شہناز، پروین اور نسرین ! دعائیں

جب سے محسنہ بہن کے انتقال پُر ملال کی خبر ملی ہے انتہائی رنج و صدمہ ہے ۔ محسن نے جس قدر صبر اور تحمّل سے کام لیا ہے تعریف سے باہر ہے ۔ اگرچہ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ کس طرح تمہیں صبر کے لئے کہوں جبکہ مجھے خود تجربہ ہے کہ ماں کی جُدائی اولاد کے لئے ایک بڑا امتحان ہے ۔ ماں کے وجود سے بچیوں کو خاص طور پر ایک ڈھارس اور محبّت جو ملتی ہے بعد میں کوئی نہیں دے سکتا ۔ بہرحال اِس جگہ انسان اِس قدر بے بس ہے کہ سوائے صبر کے یا جبر کے کچھ بھی نہیں کر سکتا ۔ وہ مومنہ تمہیں ایسے وقت میں اِس دُنیا کو چھوڑا ہے کہ سیدھی جناب زینب کی خدمت میں پہنچ گئی ہو نگی ۔ اب تم سب بہن بھائی صبر اور ہمّت سے کام لو ۔ محسن بہت لمبا سفر کر کے پہنچ رہا ہے ۔ برابر اس کے پاس یہاں لوگ تعزیت کے لئے آتے رہے مگر بڑا صابر بچہ ہے صبر کو اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑا ۔ خدا سے دُعا ہے کہ مرحومہ کو جوارِ رحمت میں جگہ دے اور تم سب کو صبرِ جمیل عطا فرمائے

تمہارے شریکِ غم

خالہ حامدہ

رضیہ بیگم

(مرحومہ کی سب سے چھوٹی بہن)

کملبرگ"، پشاور، صدر
۴ / اپریل ۱۹۷۴ء

بھائی جان! تسلیم

کل کاظم میاں کے ٹیلیفون سے آپا کے انتقالِ وحشت اثر کی خبر معلوم ہوئی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ دل کو کیسے یقین دلاؤں کہ آپا نے ہم سب کو چھوڑ کر اپنی دُنیا الگ بسالی۔ بھائی جان بتائیں چلتے وقت انھوں نے کچھ کہا بھی تھا۔ جمن کو یاد کیا تھا یا خاموشی سے ہی سب سے کنارہ کشی کر لی۔ لوگ مجھ سے کہتے ہیں صبر کرو۔ بھلا بتلائیے ایسی ہستی کو کوئی کیا صبر کر سکتا ہے۔ بھائی جان مجھے بتائیں کہ کیا یہ سچ ہے کہ آپا ہم سب سے جدا ہو گئیں ہیں

کیا ہمارے سر سے ایک اور بزرگ کا سایہ اُٹھ گیا۔ خدا کے لئے کہہ دیجئے نہیں یہ سب جھوٹ ہے۔ میں نے جو کچھ سُنا ہے غلط ہے۔ آہ مجھے بتائیے شہناز سے کیسے کہوں۔ بی بی صبر کرو۔ کیا ماں جیسی ہستی کو کوئی اولاد صبر کر سکتی ہے۔

ابھی تو آپا کی سب کو بڑی ضرورت تھی۔ ابھی تو انھوں نے اپنے دل کا کوئی ارمان بھی نہیں نکالا تھا نہ جمن کے سہرا باندھا۔ نہ شہناز، پروین کو دلہن بنایا۔ پردیس میں بیٹھے جمن کی سلامتی کی دُعائیں اب کون کیا کرے گا۔

آپا تو بچوں کو کبھی اُداس نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ اب کیسے اُن کا تڑپنا گوارہ کرلیا۔ کیسے کہوں شہناز بی بی تمہارے ناز اٹھانے والی چلی گئی۔

آہ بھائی جان! اِس درد سے میں آشنا ہوں میں جانتی ہوں کہ ماں جیسی ہستی کو کبھی نہیں بھلایا جا سکتا۔ سب کچھ دنیا میں مل جاتا ہے لیکن ماں نہیں ملتی۔

بس خدا سے ہر وقت یہی دُعا ہے کہ خدا ہماری آپا کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ہم سب کو اتنی قوت و ہمت دے کہ ہم اِس نقصانِ عظیم کو برداشت کر سکیں۔

شریکِ غم بہن کی سوگوار

رضیہ

حامدہ بیگم (مرحومہ کی خالہ زاد بہن)

راولپنڈی

۲۴ر اپریل ۱۹۶۴ء

شہناز، پروین، نسرین!

دعائیں!

افسوس ہزار افسوس کہ اچھی باجی ہمیشہ کے لئے اِس دُنیا سے رُخصت ہوگئیں اور تم لوگوں کو داغِ مفارقت دے گئیں۔ مجھے تو موصوفہ کی موت کا یقین نہیں آتا اور سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا لکھوں۔ موت نے بڑی جلدی کی اور کوئی خوشی بھی نہیں دیکھی حسرت بھری اِس جہان سے سدھار گئیں اور تم لوگوں کو بِن ماں کا کر گئیں۔

ماں بہت بڑی نعمت ہوتی ہے۔ بہت ہی عظیم ہستی ہوتی ہے بچوں کے لئے!! آج اِس عظیم ہستی اور اِس عظیم نعمت سے تم لوگ محروم ہوگئے۔!

خداوندِ عالم جوارِ جنابِ سیّدہؑ میں مرحومہ کو جگہ دے اور تم سب کو صبر عطا کرے۔

فقط

حامدہ بیگم

ساجدہ بیگم (مرحوم کی خالہ زاد بہن)

مصطفےٰ آباد ضلع رائے بریلی "یوپی" بھارت
۲۲/ اپریل ۱۹۷۷ء

محترم جناب بھائی صاحب! آداب
آپ کا خط ملا۔ دس اپریل کو چھمن میاں کے خط سے اِس عظیم سانحہ کی خبر ملی تھی۔ جس نے دل و دماغ کو بیکار کر دیا ہے۔ بھیا کس دل سے لکھوں کہ میری پیاری بہن اِس دنیا سے چلی گئی۔ دیر تک سکتے کا عالم تھا کہ کیا ایسا ہو سکتا ہے؟۔ اِس غم نے کون کون سے غموں کو تازہ کر دیا۔ ہائے افسوس (خدا رکھے) اپنے باغ کی کوئی بہار نہ دیکھی۔ دل کرتا ہے کہ چڑیا بن کر پہنچوں اپنے بچوں کو گلے لگاؤں لیکن انسان کس قدر مجبور ہے۔ سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں۔ میری بہن کی صفات اُن کی موت نے ظاہر کر دیئے۔ خدا ہر مومن کو ایسی موت عطا فرمائے میری بہن جنت میں خدمتِ سیّدہ عالم میں گئیں۔ والدہ صاحبہ کی حالت اِس غم نے اور بھی تباہ کر دی۔ جس وقت وہ یہ کہہ کر روتی ہیں۔ کہ

"بی بی تم کو مجلسیں منبر پہ ڈھونڈتی ہیں"

یہ سُن کر سارا گھر رونے لگتا ہے۔ گھر کی مجبوریوں کی وجہ سے ابھی تک میں لکھنؤ بجیا کے پاس نہیں پہنچ سکی کہ یہاں ہم دونوں

بہنیں ایک دوسرے سے مل کر سوگ مناتے۔

سوگوار

حامدہ بیگم

پیارے پیارے بچّو!

افسوس کہ تم لوگ بن ماں کے ہو گئے۔ بچّو! تم لوگوں کو کیسے گلے لگاؤں۔ کیا کہہ کر تسکین دوں۔ کہاں سے الفاظ لاؤں جو تم لوگوں کی تسکین بنیں۔ جس وقت یہ منحوس اطلاع یہاں پہونچی ایک کہرام برپا ہو گیا۔ بستی کے تمام لوگ تمہاری دکھیا نانی کے پاس آئے منّی کی روتے روتے بری حالت ہو گئی ہے۔

سب سے زیادہ ہمارے لئے تسکین بخش واقعۂ کربلا ہے۔ تمہاری ماں عاشقِ حسینؑ مظلوم اور ذاکرۂ حسینؑ تھیں۔ اپنی شہزادیوں کی خدمت میں پہنچ گئی۔ بڑی مجبوری اِس دوری نے کر دی نہیں تو اپنی بچیوں کو گلے سے لگا کر اپنی بہن کی صفِ ماتم پر بیٹھتی۔ ہر وقت تم لوگوں کا تصور تڑپا رہا ہے۔ خدا صبر عطا فرمائے۔ میری بہن موت اتنا وقت دیتی کہ اپنے لال کا سہرا دیکھ لیتی۔

سوگوار

[illegible]

بیگم اختر حسین واسطی

(مرحومہ کی نند)

فتحپور (ہسوہ) بھارت

لختِ جگر جمّن میاں دعائیں

سجّی باجی کے ذریعہ بھابھی صاحبہ کے انتقالِ پُر ملال کی اطلاع پاکر دل پاش پاش ہوگیا۔

تمھیں کیا کہہ کر سمجھاؤں ۔ کاش کہ موت اتنی مہلت تو دیتی کہ لال تیری ماں چاہنے والی تیرا سہرا تو دیکھ لیتی ۔ لیکن قدرت کو یہ منظور نہ تھا کہ مرحومہ اپنے کسی بچّے کی بھی خوشی دیکھتیں۔

میرے دُور افتادہ بیٹے جمّن ! تم ماشاءاللہ بہت سمجھ دار ہو۔ سب بھائی بہنوں میں بڑے ہو۔ سب بھائی بہنوں کو صبر کی تلقین دو۔

ظہیر بھیّا کا قلب بہت کمزور ہے ۔ میرے بھائی کے دل پر اس سانحہ عظیم کا کیا اثر ہوگا اِس کا اندازہ لگانا بہت مشکل

ہے بیٹے تم گھر کا سوگوار ماحول بدل کر خوش گوار فضا پیدا کرو۔

چھمّن میاں!

وجی بھیا۔ بھیّا، اور ظہیر بھیّا ان تین بھائیوں کے پردیسی ہو جانے سے دل کی طاقت گھٹ گئی، بڑی تنہائی محسوس ہوتی ہے۔ ایسی ناخوش گوار فضا میں کیا اُمید کروں کہ ایسے چاہنے والے بھائیوں کی زیارت کا شرف بھی حاصل کر سکوں گی۔

اگر میرا یہ خط تمھیں ظہیر بھیّا کے مکان پر ملے تو تم میرے سب بچوں کو پڑھ کر سُنا دینا اور میری طرف سے سب سے زیادہ نسرین کو پیار کرنا اس لئے کہ وہ سب سے چھوٹی ہے اُس پر اپنی امّی جان کے بچھڑنے کا سب سے زیادہ اثر ہوگا۔

خُدا حافظ

تمھاری شریکِ غم

تمھاری پھوپھی امّاں

امتن باجی

"آناق" یوپی بھارت

پروین سلمہا دلی دعائیں قبول کرو!

ابھی ابھی چاند میاں کے خط سے اِس حادثے کی اطلاع ملی۔ لکھ نہیں سکتی کہ دل کی کیا حالت ہے۔؟ کیسے تم لوگوں کو سمجھاؤں۔ اور کیا لکھوں بی بی! میں خود بھی ماں باپ کی محبت سے محروم ہوگئی ہوں۔ میں خوب سمجھتی ہوں کہ اِس وقت تم لوگوں کی نظر میں دُنیا اندھیری ہوگئی ہوگی۔ اب یہ محبت کے لئے ہمیشہ تڑپو گی اس کا کوئی بدل نہیں ہے۔ مگر پھر بھی ابھی باپ کا سایہ موجود ہے۔ پروردگار ظہیر میاں کو تم سب بھائی بہنوں کے سروں پر قائم رکھے۔ صبر کے سوائے چارہ کیا ہے۔؟

خداوندِ عالم تم سب کو صبرِ جمیل عطا کرے اور مرحومہ کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا کرے۔ وہ ذاکرِ حسینؑ تھیں اُن کی بلندی کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ وہ یقیناً امامِ حسینؑ کے قدموں میں پہنچ گئیں۔ مجھ کو ایک خاص لگاؤ تھا اُن کی محبت اور اُن کی ذاکری سے۔ مجھ کو اکثر یاد آتی تھیں۔ آج جس وقت سے خط پڑھا ہے بتا نہیں سکتی کہ کیا دل پر گزر گئی۔

تمہاری شریکِ غم
امتن باجی

ناہید بتولؔ (مرحومہ کی بھانجی)

لکھنؤ
۶ مئی ۱۹۷۴ء

ڈیر شہناز آپا!

خدا آپ سب کو صبر دے۔ یہ کہنے کو دل نہیں چاہتا کیوں کہ یقین نہیں آتا کہ ہماری گگا امی کو بھی کچھ ہو سکتا تھا۔ پتہ نہیں ان کے آرام و چین میں کس کی نظر لگ گئی۔ اُن کی محبت بھری باتیں یاد آتی ہیں۔ جب الہ آباد آئی تھیں تو ہم لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹنے نہیں دیتی تھیں۔ کہتی تھیں ہمارے پاس بیٹھو، ہم تھوڑے سے دن کے لئے تو آتے ہیں۔ کاش ہم کو معلوم ہوتا کہ ہم اب اپنی گگا امی کو نہ دیکھ پائیں گے تو ہم ان سے دل کھول کر باتیں کر لیتے۔ آپ لوگ تو اپنی اماں کی محبت سے محروم ہو گئے ساتھ ہی ہم بھی ایک چاہنے والی شفیق ہستی سے محروم ہو گئے۔ اماں کے لئے یہ صدمہ معمولی نہیں ہے ان کی تو بہن ہی نہیں ماں بھی تھیں۔ اماں بہت روتی تھیں مگر جب سے سُنا ہے کہ امام کی صفِ عزا پر خدا کو پیاری ہوئیں تو جیسے ان کو صبر سا آ گیا ہے۔ روتی بھی ہیں تو یہ کہہ کر امام کی چاہنے والی تھیں اُنھیں کے غم میں ختم ہو گئیں لیکن ہمیں رونے کے لئے چھوڑ گئیں۔ ہماری خوشیاں ادھوری کر گئیں۔ حقیقت میں گگا امی کی موت ایک ایسا خلا ہے جو کبھی پُر نہیں ہو سکتا۔ زندگی کے ہر موڑ پر ہر موقع پر ان کی کمی محسوس ہو گی۔

شریکِ غم، آپ کی بہن — ناہیدؔ

نشاط فاطمہ (مرحومہ کی بھانجی)

لکھنؤ (یوپی بھارت)
۶ر مئی ۱۹۷۴ء

ڈیئر بھائی جان! آداب۔

یہ اتنا بڑا اور اتنا اچانک حادثہ ہوا ہے کہ جس کے لئے سوائے خدا کی مرضی کے اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔ میں بھلا آپ کو کن الفاظ میں صبر کی تلقین دوں۔ پھر بھی ہم صبر کے علاوہ کر ہی کیا سکتے ہیں۔ خدا سب کو صبر دے اور گنّا ای کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا لکھوں۔ اصل میں تو یہ خط اماں لکھنے بیٹھی تھیں لیکن ہاتھ کا نپنے کی وجہ سے نہیں لکھ سکیں۔ اُن کو تو اِس کا بہت ہی افسوس ہے کہ میری آپا اپنی کوئی خوشی نہ دیکھ سکیں لیکن یہی کیا کم ہے کہ اُن کا سفر بھی گیارہویں امام کے سفر کے ساتھ ساتھ ہُوا۔ ہاں جو اُن کے جاننے والے ملتے ہیں سب یہی کہتے ہیں کہ مولا کی چاہنے والی تھیں اُنہی کے پاس گئیں۔ لیکن ہم لوگوں کو تو زندگی بھر افسوس رہے گا کہ اب کبھی نہیں مل سکتے۔ تھوڑی بہت جو اُمید تھی وہ بھی ختم ہو گئی۔ سب بھائی بہن رو رہی سے آپ لوگوں کے غم میں شریک ہیں۔

فقط آپ کی شریکِ غم بہن نشاط

نادرہ (خواجہ احمد عباس کی بھانجی)

بمبئی

۲۴ر اپریل ۱۹۷۴ء

ڈیر محسن!

بھائی جان کے خط سے کل ہی مجھے یہ افسوس ناک خبر ملی۔ کتنی بار خط پڑھا۔ تب بھی اِس منحوس خبر کو دل ماننے کو تیار نہیں ہوتا۔ پھوپھی کی ہنستی مسکراتی شکل نظروں میں گھوم جاتی ہے۔ میں تو چند دن ہوئے مل کر آئی تھی اور وہ دیکھنے میں بالکل ٹھیک معلوم ہوتی تھیں۔ یہ نہیں معلوم تھا کہ میں اُن کو آخری بار دیکھ رہی ہوں۔ ہم سب سے تو واقعی اتنی محبت کرتی تھیں جو ہمیشہ یاد رہے گی۔ آپ سب کا اس غم میں کیا حال ہوگا۔ یہ میں سوچ سکتی ہوں خدا آپ سب کو صبر کی ہمت عطا کرے۔

ہمارے گھر میں سب کو اس خبر کا انتہائی صدمہ ہوا ہے اور سب آپ کے غم میں شریک ہیں۔ بھائی جان کے خط سے تو یہی اندازہ ہوا کہ حرکتِ قلب بند ہو جانے سے انتقال ہوا۔ آپ لکھئے گا کہ کیسے انتقال ہوا کچھ بیمار رہیں یا اچانک ہی ایسا ہو گیا۔ آپ سب کو تو جتنا بھی رنج اور تکلیف ہوئی ہو ہم سمجھ سکتے ہیں۔ یہاں بھی ہم سب سُن کر سناٹے میں آگئے۔ خدا ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

فقط آپ کے غم میں شریک

نادی

شہلا

نارتھ برا ڈوے، امریکہ
۲۹ر اپریل ۱۹۷۴ء

پیارے محسن بھائی
آداب
کل بھائی جان کے خط سے پھوپھی کے انتقال کی اندوہناک خبر ملی۔ دل ہل کر رہ گیا۔ خدا اِن لڑکیوں کو صبر دے۔ مجھے تو بار بار یہ خیال آتا ہے کہ اِن تینوں کا کیا حال ہوگا۔
اِس طرح اچانک انتقال پہ آپ سب کا جو حال ہوگا اُس کا تو مجھے کچھ اندازہ ہے لیکن جس طرح آج کل کی دُنیا میں لوگ سسک سسک کر مرتے ہیں اُسے دیکھ کر تو مجھے یہ خیال آتا ہے کہ وہ تو بڑے ہی خوش قسمت اور جنتی بندے ہوتے ہیں جو اتنی آسانی سے اِس سفر پہ چلے جاتے ہیں اور سرخرو جاتے ہیں اور پھوپھی تو بڑی مومنہ بی بی تھیں۔
کتنی ہفتے سے آپ کو خط لکھنے کا ارادہ کر رہی تھی۔ یہ نہیں پتہ تھا کہ تعزیت کا خط لکھنا پڑے گا اور کیا لکھوں سمجھ میں نہیں آتا کیا کہا جا سکتا ہے۔
خدا حافظ
دیپ کی بہنے شہلی

حضرت شاہد نقوی

وفاتِ زہراؑ پر زینبؑ کی فریاد

زینب یہ ماں کی لاش پہ کہتی تھیں بار بار اماں کہاں چلیں!
بابا اُداس اُداس ہیں گھر بھر ہے سوگوار اماں کہاں چلیں!
حجرے کے پاس بیٹھی ہے کلثوم دیر سے لے لیجئے اُسے
[illegible] گود میں آنے کا انتظار اماں کہاں چلیں
[illegible] حسین خموش ہیں شبرؑ اُداس ہیں باباکے پاس ہیں
دونوں کے اشک پونچھتے ہیں شاہ ذوالفقار اماں کہاں چلیں
اماں ہمارے کپڑے جو دھوئے تھے آپ نے ہم نے پہن لئے
کیوں ہم کو لے کے گود میں کرتی نہیں ہیں پیار اماں کہاں چلیں
ہم روٹھتے تھے آپ تو ہوتی نہ تھیں خفا اب کیا سبب ہوا
ہم رو رہے ہیں آپ کی خفگی ہے برقرار اماں کہاں چلیں
اماں ابھی تو آپ تھپکتی تھیں پیار سے آغوش میں لئے
کیسے کریں ہم آپ کے مرنے کا اعتبار اماں کہاں چلیں
نانا کا ذکر سنتے تھے شب بھر ہم آپ سے تسکین پاتے تھے
راتوں کو کون روئے گا اب ہو کے بے قرار اماں کہاں چلیں
تنہا تو آپ نے ہمیں چھوڑا نہ تھا کبھی اب کیا خطا ہوئی
جاتی ہیں چپکے چپکے اکیلی سُوئے مزار اماں کہاں چلیں
اماں سُنا جو کہتی ہے فضہ یہ اشک خوں بی بی میں کیا کروں
جینے کا اب مزا ہے نہ مرنے پہ اختیار اماں کہاں چلیں

قطعاتِ تاریخ وفات

یہ نظمیں مجلس چہلم (محسنہ بیگم مرحومہ) کے موقع پر پڑھی گئیں

حضرت آزما سروش (مرحوم)

قطعۂ تاریخ

خوشخو سہ پسر گذاشت وہم دُختر سہ
چون محسنہ رخت بست از بیمُن ظہیر
ہاتف گفتا کہ در عزا رحلت او
اندوہے بمحسن و ضمیر و تنویر

۱۹۷۴ء عیسوی

حضرت نسیم امروہوی

سوئے حسینؑ گئیں محسنۂ جناں کی طرف

نظامِ دہر ہے مائل زیانِ جاں کی طرف
عبث یہ نسبتِ گردش ہے آسماں کی طرف

الٰہی خیر تڑپ کر کہاں گری بجلی
یہ ابر ہے کہ دھواں میرے آشیاں کی طرف

ہر امتحاں میں جمائے رہے جو پائے ثبات
وہ لائے جاتے ہیں اب رہ کے امتحاں کی طرف

کبھی حسینؑ کبھی مبتلائے حسینؑ کے دوست
ہے چشمِ رہزنِ غم ایک کارواں کی طرف

کبھی جو بیٹھ کے روئیں ذرا سکون سے ہم
تو غم کے تیر چلیں چشمِ خوں فشاں کی طرف

ہے کل کی بات کہ اک ذاکرہ کو مجلس سے
یہ جذبہ لے ہی گیا دردِ جاں ستاں کی طرف

وہ ذاکرہ جو رُلاتی رہی مجالس میں
اب اُس کی یاد میں اہلِ دل ہیں فغاں کی طرف

تمام عمر پڑھیں مجلسیں، کہے نوحے
کبھی زباں کی طرف رُخ، کبھی بیاں کی طرف

زنانِ قوم کی چالیس سال خدمت کی!
جھکا کے سر شہِ والا کے آستاں کی طرف

جلو میں اُس کے مجالس کئی ہزار چلیں
وہ اِس جہاں سے گئی جب اُس جہاں کی طرف

سفر تھا سخت پر اُس کی نظر میں گل سے سبک
وہ یوں چلی کہ صبا جیسے گلستاں کی طرف

لقائے شہ کے تصور کا جذب، صلِ علیٰ!
کہ جیسے کھنچ کے نمازی چلے اذاں کی طرف

کیا سلام جو آ کر اجل نے مجلس میں
تو آنکھ اٹھا کے بھی دیکھا نہ این و آں کی طرف

یہ حادثہ ہوا ہشتم ربیع الاوّل کو
چلی ربیع کے آغاز میں خزاں کی طرف

وہ گھر میں فصلِ غمِ شہ کی آخری مجلس
نگاہِ شوق کا اٹھنا وہ سوز خواں کی طرف

وہ دل پہ اُس کے مرض کا شدید تر حملہ
وہ دل رُجوعِ غمِ شاہِ تشنگاں کی طرف

وہ سیلِ اشکِ عزا طالبِ دفاعِ مرض
وہ اشتدادِ مرض مرگِ ناگہاں کی طرف

وہ سر کو دَر پہ عزا خانے کے جُھکا دینا
نظر وہ رُوح کی دُنیا سے جاوداں کی طرف

وہ بین لختِ جگر تین بیٹیاں بے ہوش
کبھی وہ بین کبھی وہ دیکھنا ماں کی طرف

وہ بی بیویوں کی عزا بانیٔ عزا کے لئے
نگاہیں لاش پہ اور دل شاہِ بیکساں کی طرف

شہادتِ حسن عسکری کی ساعت میں
مکاں سے لے کے چلی موت لامکاں کی طرف

اب اُس کی یاد میں بزمِ عزا بپا ہے نسیم
گئی جو بزمِ عزا سے شہِ زماں کی طرف

ہجومِ غم میں جو پڑھنا تھی موت کی تاریخ
یہ بیت قلبِ حزیں سے چلی زباں کی طرف

کہ آج چوم کے بیت العزاء کی چوکھٹ کو
19
۶۴۳
سوئے حسینؑ گئیں محسنہ جناں کی طرف

حضرتِ شاہد نقوی

قوتِ تقریر تھی اُس کی عطائے سیدہؑ

وقف کر دے جو دل و جاں کو برائے سیدہؑ
سایہ گستر کیوں نہ ہو اُس پر ردائے سیدہؑ
کیوں نہ لینے کو اُسے جنت سے آئے سیدہؑ
جس کا اُٹھتے بیٹھتے ہو وِرد ہائے سیدہؑ
وہ بھکارن لطفِ زہراؑ کی وہ فضہ کی کنیز
بی بی زینب کی پُجارن خاکِ پائے سیدہؑ
لوگ سمجھے نزع میں چُپ ہے مگر یہ باوفا
سُن رہی تھی غور سے آوازِ پائے سیدہؑ
جب صدا کانوں میں آئی روح کے پر لگ گئے
اک کنیز اور اِس محبت سے بلائے سیدہؑ
وہ خلوصِ دل جو تھا جذبِ بیانِ محسنہ
کون اُس کی قدر کرسکتا سوائے سیدہؑ
اتنی شدت سے کیا محسوس غم شبیرؑ کا
جیسے اُس کا فرض ہو رونا بجائے سیدہؑ
محسنہ تھی بیکسیٔ شہؑ کی دل سے سوگوار

۹۴ ۱۴ھ

محسنہ تھی اصلِ تاثیرِ دعائے سیدہؑ

۴۷ ۶۱۹

حضرت نفیسؔ فتحپوری

محسنہ ہیں باغِ جنت میں مقیم

ذائقہ چکھنا ہے سب کو موت کا
اِس سے آدم ہیں نہ مستثنیٰ کلیم

سنگدل کتنا ہے قزاقِ اجل
لوٹتا رہتا ہے سب کو یہ غنیم

صدمۂ مرگِ اعزّا ! الاماں
ماں کا صدمہ ہے مگر سب سے عظیم

ہے غمِ جاں کاہ تم کو اے ضمیر
مرگِ مادر ہے نہ ہو کیوں دل دونیم !

صبر دے تم بھائی بہنوں کو وہی
فضل ہے جس کا خلائق پر عمیم

صبر ہی اس سانحہ کا ہے علاج
صبر دے تم کو خداوند کریم

رستگاری موت سے ممکن نہیں
ہے مقدر سب کا یہ روزِ الیم

سیدہؑ کے لال کی تھیں ذاکرہ
کیوں نہ ہوں اُن پر عنایاتِ کریم

ہر نفس تھا وردِ قرآن و حدیث
ہر قدم فکرِ صراطِ مستقیم

موت! اور فرشِ عزاءِ شہؑ پہ موت
منزلت سے اس کی واقف ہیں فہیم

مصرعِ تاریخ لکھ دیجے نفیسؔ

محسنہ ہیں باغِ جنت میں مقیم

۴۳ ۶ ۱۹

شمسؔ ھوشنگ آبادی

محسنہ خاتون شیدائے امامِ عسکریؑ

حیدرِ کرار بابائے امامِ عسکریؑ
فاطمہ کی جان کہلائے امامِ عسکریؑ

قبلۂ دیں قائمِ آلِ محمدؐ کے پدر
اللہ اللہ ذاتِ والائے امامِ عسکریؑ

تا بہ حشر وہ کبھی گمراہ ہو سکتا نہیں
جس کے دل میں ہو تولائے امامِ عسکریؑ

جب بڑھیں تاریکیاں ایوانِ ایماں کے لئے
نور بن کر ہر طرف چھائے امامِ عسکریؑ

جس کی خوشبو سے معطر ہے بہارِ زندگی
اپنے دامن میں وہ گل لائے امامِ عسکریؑ

راہبِ چالاک سیرت کو شکستِ فاش دی
وقت پر ملت کے کام آئے امامِ عسکریؑ

کچھ وفاداروں کو لے کر مثلِ شاہِ کربلا
ظلم کے طوفاں سے ٹکرائے امامِ عسکریؑ

مومنوں کو داخلِ فردوس ہونے کے لئے
مل گیا نقشِ کفِ پائے امامِ عسکریؑ

بوستانِ رضویہ میں تھیں مقیم اِک مومنہ
اُن کے دل میں تھی تولائے امامِ عسکریؑ

ذکرِ اہلِ بیتؑ میں مصروف رہتی تھیں سدا
اُن کو تھا پاسِ تمنائے امامِ عسکریؑ

پڑھنے والی تھیں امامِ عسکریؑ کا مرثیہ
مرثیہ دیکھا تو یاد آئے امامِ عسکریؑ

تیرہ معصوموں کا غم لے کر گئیں فردوس میں
محسنہ خاتون شیدائے امامِ عسکریؑ

دل گواہی دے رہا ہے حشر کے دن اے شمسؔ
کام آئے گی تولائے امامِ عسکریؑ

مومنو رسمِ عزاداری میں اِن خاتون کا
ہر عمل تھا حسبِ منشائے امامِ عسکریؑ

ضیاء الحسن موسوی

محسنہ مجلس سے جنت میں گئیں!

اُٹھ کے بزمِ ماتمِ شبیرؑ سے
مجلسِ اربابِ عصمت میں گئیں
روز تھا روزِ وفاتِ عسکریؑ
محسنہ جب اپنی تربت میں گئیں!

تعزیت دینے امامِ عصرؑ کو
خود عریضہ بن کے خدمت میں گئیں
دی یہ عمرِ جاودانی نے صدا
۳۸۵
محسنہ مجلس سے جنت میں گئیں
۳۸۵ + ۱۰۰۹
۱۳۹۴ھ
سال رحلت ہے باعجازِ مسیح
۲۰۲
ذاکرہ مجلس سے جنت میں گئیں

۱۷۷۲
۲۰۲
۱۹۷۴ء

حضرت عزت لکھنوی

دُعائے سیّدہ تھیں محسنہ

اے عزیزو! کیا بتائیں تم کو کیا تھیں محسنہ / تھیں کلِ انساں میں دُعائے سیّدہؑ تھیں محسنہ

ہے بیع الاول ہی میں ولادت اور وفات / زندگی کے اک قدم کا فاصلہ تھیں محسنہ

موت برحق ہے ہر اک انساں کی قسمت ہے موت / اِس حقیقت سے بخوبی آشنا تھیں محسنہ

اپنی ماں کو کس سلیقے سے دیا غسل و کفن / کمسنی سے پیکرِ صبر و رضا تھیں محسنہ

لکھنؤ کا زینبیہ مدرسہ بھی ہے اُداس / جس کا مرکز وقتِ رسمِ ابتدا تھیں محسنہ

فاطمیہ انجمن ہے پیکرِ حرمان و یاس / جس کی بانی، منتظم اور ناخدا تھیں محسنہ

وہ سعیدِ ملت اور وہ حضرتِ کلبِ حسینؑ / اُن کی رسمِ فاتحہ کی ذاکرہ تھیں محسنہ

بل الٰہی سے کر دیا قلبِ دلاور کا علاج / فضلِ رب سے عاملِ امرِ خدا تھیں محسنہ

یاد تھا رشتہ علی ابن محمدؐ سے اُنھیں / اپنے جد کا بست و ختم سلسلہ تھیں محسنہ

صبح سے تا دوپہر کرتی تھیں وہ ذکرِ خدا / اِس ریاضت کے سبب قبلہ نما تھیں محسنہ

سُورۂ فتح و رحماں، حمد و یٰسیں ورد تھے / حاملِ ذکرِ حدیثِ فاطمہؑ تھیں محسنہ

شانِ اہلبیت میں آیات کی تعلیم دی / اپنے بچوں کے عمل کی رہنما تھیں محسنہ

روز پڑھنے سے زیارت سیّدہؑ کے لال کی / ہو گئی موت آساں اس کی راعیہ تھیں محسنہ

مرگِ مومن پر نمازِ ہدیۂ میت پڑھی / کیوں نہ ہو آخر تو خود بھی مومنہ تھیں محسنہ

حافظے پر رشک کرتے تھے وہ اپنے ہوں کہ غیر / عالمہ تھیں فاضلہ تھیں عابدہ تھیں محسنہ

فیض کی اک موج تھی امکاں کی حد میں رواں
کتنے خستہ دل یتیموں کی دعا تھیں محسنہ

اتنے وصفوں کے سوا نوحوں طبیعت پائی تھی
نوحہ گو، مداحِ آلِ مصطفےٰ تھیں محسنہ

شوق سے اکثر پڑھا کرتیں مراثیؒ دبیرؔ
گرچہ اپنی ذات میں خود مرثیہ تھیں محسنہ

تھیں[1] دعائیں وقتِ آخر سیدہؑ تشریف لائیں
اپنے نوحوں میں مجسم التجا تھیں محسنہ

زیست کے ہر امتحاں میں جب وہ ٹھہریں کامیاب
کس لئے بے چین پھر صبح و مسا تھیں محسنہ

دل میں حسرت رہ گئی محسن کا سہرا دیکھتیں
اس قدر جس کے لئے محوِ دعا تھیں محسنہ

دم نکلتے[2] وقت جن کے لب پہ تھا نام حسینؑ
عاشقِ فرزندِ محبوبِ خدا تھیں محسنہ

سوگ میں مادر کے تم کو صبر لازم ہے خمیر
جانتے ہو سالکِ راہِ رضا تھیں محسنہ

مصرعِ عزت ہے مبنی بر حقیقت دیکھئے

عابدہ ہر دلعزیزہ ذاکرہ تھیں محسنہ

۱۹ ۶ ۷۴

---

[1] مرحومہ نے ایک مصرعے میں فرمایا ہے۔

؎ آنا بالیں پہ وقتِ قضا سیدہؑ

[2] مرحومہ کے ایک سلام کا شعر ہے ؎

درسے تمہارے اٹھ کے وہ جنت میں جاؤنگی
میرے لئے یہی مری جنت ہے اے حسینؑ

سید بادشاہ حسین رضوی

اب شہیدوں میں ہیں داخل محسنہ

تھی ربیع الاول کی اٹھویں — سہ پہر تھی اُٹھ چکا تھا تعزیہ
آخری یوم عزا تھا دہر میں — تھی فضاؤں میں صدائے مرثیہ
ایک مجلس تھی زنانی منعقد — جمع جس میں تھیں زنانِ مومنہ
صاحب خانہ ظہیر نیک خُو — بانیٔ مجلس تھیں اُن کی اہلیہ
اہلیہ جو اہل تھیں ہر کام کے — اہلِ تدبیر و فہیم و عاقلہ
خوش صفات و خوش مزاج و خوش خصال — خوش کلام و خوش بیان و ذاکرہ
نیک نفس و نیک بخت و نیک خُو — نیک نام و نام نامی محسنہ
منتظر اُن کی تھی مجلس ایک اور — تھی وہ جنت میں بحکم فاطمہؑ
ذاکرہ کی بزم جنت کے لئے! — ذاکرہ اک لینے آئیں سیدہ
بیٹھیں مجلس میں نگاہوں سے نہاں — دُور سب سے پر قریب محسنہ
محسنہ پر تھی نگاہِ انتخاب — لے گئیں جنت اُنھیں کو سیدہ
سوز خوانی گھر میں ہوتے ہی شروع — کر گئی پرواز روحِ محسنہ
ہو گیا منزل بدل جانے کا نام! — ناگہانی انتقالِ مومنہ
حبِّ اہلِ بیتؑ میں آئی یہ موت — اب شہیدوں میں ہیں داخل محسنہ

کربلا والوں کے درجے میں گئیں — ثانیٔ زہرؑا کی بن کر خادمہ
اب ہے مرحومہ کی جنت عیش گاہ — غمزدوں کا گھر ہے اب ماتم کدہ
دے خدا اولاد کو صبرِ جمیل — زیست بے مادر ہے جن کی بے مزہ
ہو ظہیرِ غمزدہ کے دل سے دور — یا الٰہی داغ ہجر اہلیہ
تعزیت میں نکلے تھے الفاظِ درد — ہو گیا منظوم غم کا سانحہ
مصرعِ تاریخ کی ہم کو تھی فکر — عالمِ بالا سے آیا مشورہ

لوحِ تربت پہ یہ لکھ دیں سوگوار

کشتۂ راہِ وفا کی ذاکرہ

۱۹ ۶ ۷۴

سید علی حسنین نقوی شیدؔا

محسنہ آئیں باغِ خلد میں اب

بات کھلتی نہ تھی کہ کیا ہے سبب
کاٹے کھاتی تھی کیوں سیاہیٔ شب

دن جو آیا تو حزن اور بڑھا
ہوا معلوم پھر قریبِ شب

حرکتِ قلب بند ہونے سے
محسنہ چل بسیں ہیں ہائے غضب

ہیں اعزا اداس اور غمگین
موت ہے اُن کی سب کے غم کا سبب

سالِ رحلت ملا یہ ہاتف سے
محسنہ آئیں باغ خلد میں اب

۱۹ ۶ ۷۴

بیگم مولانا عابد شبر مدظلہٗ کے تاثرات

محسنہ بیگم مرحومہ بڑی مومنہ بی بی تھیں۔ انہوں نے اِس قدر قابلیت کے باوجود کبھی یہ ظاہر نہیں کیا کہ میں بہت قابل ہوں۔ ہمیشہ اپنے آپ کو ایک ادنیٰ شخصیت ظاہر کرتی رہیں۔

مرحومہ انتہائی علمیت سے بھرپور مجلسیں پڑھتی تھیں۔ خلوص و انکسار کا یہ عالم تھا کہ اپنی سواری میں آتی تھیں اور اپنی سواری سے بعدِ مجلس واپس جاتی تھیں۔ مرحومہ نے مرکزی امام بارگاہ میں پانچ چھ سال تک مجلسیں پڑھیں۔ ایک مجلس انہوں نے ہمارے گھر پر بھی پڑھی۔

اُن کے خلوص سے متاثر ہو کر میں نے اپنی بیٹی سکینہ کی شادی اُن کے بیٹے محسن اختر سے کر دی۔ اُن کی تمنا تھی کہ یہ شادی ہو اِس لئے یہ رشتہ طے پا گیا۔

معلوم نہیں کیا مصلحت پروردگار تھی کہ اتنی جلدی چلی گئیں ان کی بچیوں کے لئے میری دعا ہے کہ تمام گھر کی ذمہ داریوں کو بخیر و خوبی انجام دیں۔

نثرات

محترمہ بیگم مصطفےٰ علی

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں!
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

میرے اور سیدہ محترمہ مرحومہ کے تعلقات بہت دیرینہ تھے، ۱۹۳۴ء میں ہم لوگ محلہ خیر آباد شہر سلطان پور (اودھ) میں قیام پذیر تھے اور مرحومہ کے والد جناب سید ظفر عباس صاحب مرحوم قریب ہی رہتے تھے۔ قربت کی وجہ سے تعلقات بتدریج بڑھتے گئے اور ہم لوگ ایک دوسرے سے قریب تر ہوتے گئے، ایام عزا میں کئی سال تک میں اُن کے یہاں مجالس میں سوز خوانی و نوحہ خوانی کے لئے مدعو ہوتی رہی اور ان کے والد مرحوم مغفور میرے یہاں ۶ محرم کی سالانہ مجالس میں تقریباً ہر سال ذاکری فرماتے رہے، اس وقت مرحومہ کم عمر تھیں اور شادی نہیں ہوئی تھی،

پاکستان بننے کے بعد چونکہ جناب سید ظفر عباس صاحب مرحوم ہجرت کر کے چلے آئے تھے لہٰذا کئی سال تک ہم دونوں میں جدائی رہی، اس کے بعد جب میں ۱۹۵۷ء میں ہجرت کر کے پاکستان آئی اور رضویہ سوسائٹی میں قیام ہوا تو مرحومہ سے پھر قربت ہو گئی۔

مرحومہ کو مجھ سے خاص خلوص و محبت تھی جس روز انہوں نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا مجھے اُن کے یہاں ایام عزا کی آخری مجلس میں سوز خوانی کرنا تھی۔ مگر بدقسمتی سے میں وقت پر نہ پہنچ سکی اور مجلس ٹھیک وقت پر شروع ہو گئی اور اسی مجلس کے دوران مرحومہ جناب سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا کی کنیز سی

میں پہنچ گئیں، مرنا برحق ہے، لیکن ایسی پاکیزہ موت کم کسی کو ملتی ہے، خداوند عالم ایسی ہی موت عطا فرمائے۔

مرحومہ صرف ایک کامیاب اور ہر دلعزیز ذاکرہ ہی نہ تھیں بلکہ قدرت نے ایک کامیاب شاعرہ کی صلاحیت سے بھی نوازا تھا۔ انہوں نے بکثرت مجالس میں ذاکری کی اور قصیدے و نوحے بھی کہے جو نہایت عمدہ اور پُر اثر ہیں۔ پروردگارِ عالم ان کو جوارِ جناب سیدہ صلواۃ اللہ علیہا میں درجات عالیہ مرحمت فرمائے۔

محترمہ والدۂ سردار نقوی

محترمہ بیگم مرحومہ بہت ہی خوش اخلاق اور خوش مزاج بی بی تھیں ان کی علمی استعداد نہایت بلند تھی اِس کے باوجود اُن میں غرور بالکل نہ تھا۔ اور میں سمجھتی ہوں کہ حقیقی ایمان کی یہی پہچان ہے۔ وہ ایسی مومنہ بھی تھیں کہ نہ انھوں نے کسی کی کبھی بدی کی اور نہ کسی کے عیب کو بیان کیا۔

مجلس پڑھنے میں کسی قسم کا غرور نہ تھا۔ عام طور سے ذاکرین میں غرور ہوتا ہے۔ لیکن مجھے تجربہ ہے کہ انھوں نے کبھی کسی سے غرور نہیں کیا۔ رضویہ کے امام باڑے میں سردار کی ممانی شاندار کے بہنوئی کی میت آ رہی تھی۔ میں نے محترمہ بیگم سے کہا کہ مجلس پڑھو، انہوں نے فوراً میری بات مان لی۔ انہوں نے ذاکرین کی طرح غرور نہیں کیا کہ میں نے تیاری نہیں کی۔

ہر ایک کے دل کا خیال رکھتی تھیں۔ مجھ سے خاص طور سے بہت محبت کرتی تھیں۔ اور بڑے اخلاص سے ملتی تھیں۔ اللہ گواہ ہے کہ اُن کا خلوص

خلوصِ حقیقی تھا اسی لئے انھیں خدا نے بہت شاندار موت عطا کی جیسی نیک بیوی تھیں ویسے ہی اللہ نے اُن کی مشکل آسان کر دی۔ اللہ نے گیارہویں امامؑ کی شہادت کے دن اُن کو بلایا۔ آج کی دنیا میں حسد اور بغض، کینہ عام بات ہے۔ لیکن اُن سے یہ باتیں بہت دور تھیں۔ ایک بہن سے جو محبت مل سکتی ہے۔ میں نے وہ محبت اُن میں پائی۔ اُن سے میری آخری ملاقات صفر کے آخری ہفتے میں ہوئی تھی۔ مرحومہ کے گھر مردانی مجلس تھی جس میں اثر جلیلی صاحب مرثیہ پڑھ رہے تھے۔ میں بھی مرثیہ سننے کے لئے گئی تھی۔

آٹھ ربیع الاول کو اچانک مجھے رضویہ میں ہی اطلاع ملی کہ محسنہ بیگم کا ہارٹ فیل ہو گیا۔ میں بھاگی ہوئی فوراً پہنچی۔ میرا تو دل و دماغ بے کار ہو گیا تھا کہ کیا کروں۔ کیا نہ کروں۔؟

محترمہ سائرہ بائی ولد حسین بھائی نظر

میں تو سمجھتی ہوں کہ دنیا میں محسنہ بیگم سے اچھی خاتون اب نہیں ہو سکتی میری نظر میں اُن جیسا انسان ہونا اب مشکل ہے۔ وہ جب بھی میرے پاس آتی تھیں میرا دل چاہتا تھا کہ وہ اُٹھ کر نہ جائیں۔ ہمیشہ ائمہ اور پیغمبروں کے حالات، سیرت اور معجزات بیان کرتی تھیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے اور باتیں کیوں نہ پوچھیں کاش میں اُسی وقت پوچھ لیتی۔ اب دنیا میں کوئی ایسا نہیں ہے۔

اُن کے آنے سے میں خوشی محسوس کرتی تھی اگر وہ خالی وقت میں آتیں تو میں سوچتی کہ اب وقت اچھا گزر جائے گا۔ ایسی مومنہ بی بی اب کہاں ؟!

میرے گھر کی مجلس سلمہ عابدی مرحومہ پڑھا کرتی تھیں۔ لیکن پانچ سال سے

محترمہ مرحومہ پڑھنے لگی تھیں۔ انھوں نے ہمارے گھر محرم کے پانچ عشرے پڑھے۔ کُل ملا کر پورے سال میں ۱۰۲ مجلسیں پڑھتی تھیں۔

مجلس شروع ہونے سے پہلے میں سوچتی تھی کہ کسی کو بھیج دوں وہ جا کر انھیں لے آئے۔ لیکن کیا دیکھتی ہوں کہ ٹھیک وقت پر پہنچی ہوئی ہیں۔ اُن کے خود آجانے پر مجھے شرمندگی بھی ہوتی تھی۔

اُن کے انتقال کی خبر سن کر ایسی حالت ہوئی کہ بس خدا سے دُعا تھی کہ اُن کو واپس کر دے، سننے کے ساتھ ہی دل میں ایسا درد ہوا کہ بس کہہ نہیں سکتی۔

میں اُن کے انتقال کے بعد سے اب تک روز رات کو سونے سے پہلے دُعائیں پڑھ کر دُعائیں کرتی ہوں کہ اے اللہ مجھے خواب میں وہ نظر آئیں۔ میری دُعا ایک دن قبول ہوئی۔ اور میں نے خواب میں دیکھا کہ بہت خوش نظر آ رہی ہیں مجلس کے فرش پر بیٹھی ہے اور تمام عورتیں اجنبی نظر آ رہی ہیں جو اُن سے باتیں کر رہی ہیں۔ اُن عورتوں کو میں نہ پہچان سکی، میں انتظار میں تھی کہ یہ عورتیں اُن سے باتیں کر لیں تو میں انہیں گلے سے لگاؤں اور باتیں کروں لیکن اچانک آنکھ کھل گئی اور مجھے حسرت رہ گئی۔۔۔۔ مجھے رنج اور افسوس ہے کہ میں نے خواب میں اُن سے باتیں کیوں نہ کر لیں۔

میرے یہاں کی آخری مجلس مرحومہ نے ۱۰ ربیع الاوّل کو پڑھی تھی۔ زیارت امام حسین پڑھوانے کے بعد انھوں نے امام بارگاہ کی طرف جھک کر سلام کیا اور فرمایا۔

"مولا میرا آخری سلام لیجیے۔"

عزا کے آخری دنوں میں سبھی اس طرح سلام کرتے ہیں لیکن کہتے ہیں ہمارا سلام لیجیے مگر انھوں نے "میرا سلام" کہا۔ میں آج تک یہ نہ سمجھ سکی۔ شاید

انہیں اپنی موت کی بشارت ہو چکی تھی۔

شہربانو بیگم سیّد ضیاء الحسن موسوی

بیگم ظہیر مرحومہ خطیبۂ آلِ محمدؐ اور ایک مثالی ماں تھیں جن کے آغوشِ تربیت کا ایک نمونہ عزیزی ضمیر اختر سلمہ ہیں جو ادب اور ثقافت کی شمع کے ایسے پروانے ہیں کہ اس نوعمری میں اُن کو پاکستان گیر شہرت حاصل ہو چکی ہے۔

درحقیقت ہماری قومی نشاۃ ثانیہ کے لئے ایسی ہی خواتین کی ضرورت ہے جو اپنے قول و عمل سے اور تعلیم و تربیت سے مشرقیت اور حسینیت کی روایات کو قوم کے نونہال کا مقصدِ حیات بنا سکیں۔ اس لئے کہ آج ہم سب سے زیادہ اسی کی کمی محسوس کر رہے ہیں کہ ہماری روایات سے ہمارے بچوں کا رشتہ اتنا مستحکم نہیں جتنا اب تک تھا۔ میری ناچیز رائے میں اس کی ذمہ داری تربیت کرنے والوں پر ہے۔

بیگم ظہیر کی زندگی بھی مثالی تھی اور اس کا اختتام ایامِ عزا کے آخری دن ہوا۔ اور اس طرح اُن کی موت بھی مثالی بن گئی۔

میرے لئے ۸، ربیع الاوّل کو اُن کی وفات نے کچھ ایسی یادیں تازہ کر دیں جو ناقابلِ فراموش ہیں۔ میری والدہ مرحومہ کی تاریخ وفات ۲۱، رمضان ہے۔ میرے خسر نے صبح عاشور قضا کی اور میری خوشدامن صاحبہ نے شبِ عاشور رحلت کی۔ محبت و مودت اہلِ بیت رسولؐ کی یہ ایسی نشانیاں ہیں جو اتفاقی نہیں کہی جا سکتیں بلکہ اُن کے پسِ منظر میں قول و عمل کی بھرپور ہم آہنگی ہے۔ خدا مرحومہ کے درجات اور بلند کرے اور ہم کو ان کی زندگی اور موت دونوں سے عملی سبق حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

محترمہ بیگم ڈاکٹر ثریا ور عباسؒ

محترمہ محسنہ بہن جنہیں آج مرحومہ لکھنا پڑ رہا ہے۔ ایک نہایت نیک دل، نیک سیرت اور محبِ اہلِ بیت خاتون تھیں۔ انسان چلا جاتا ہے لیکن اعمالِ نیک اُس کی زندگی بن کر رہ جاتے ہیں۔ آج ایک سال ہونے کو آیا۔ گزشتہ محرم میں وہ پوری تندہی کے ساتھ ذکرِ حسینؑ میں منہمک تھیں اور اسی شغل میں فرشِ مجلس پر ہی انتقال فرمایا۔

مرحومہ بہت خوبیوں کی حامل تھیں اور خاص طور پر اُن کی زندگی کے اصولوں میں جو بات یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ ذکرِ شبیرؑ میں سب نے اُنہیں ہمیشہ بے عذر پایا۔

اللہ اُن کی روح کو تسکین بخشے اور جنابِ سیدہ کے قرب میں جگہ دے۔ آمین۔

سیدہ بیگم والدہ سلمیٰ عابدی مرحومہ

کئی بار خیال کیا کہ محسنہ باجی کے لئے کچھ لکھوں۔ دو چار بار ہمت کی لیکن قلم نے ساتھ نہ دیا۔ وفورِ غم سے آنکھیں نم ناک ہو گئیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی ہستی کے لئے کیا لکھا جائے جو خود ایک بلند پایہ مقررہ، شمعِ بزمِ اہلِ بیت اور رونقِ محفلِ حسینؑ تھیں۔ افسوس کہ وہ آج ہم میں موجود نہیں ہیں۔ مگر اُن کی یاد ہمیشہ ہمارے دلوں میں رہے گی۔

اُن کو اہلِ بیتؑ سے اِس درجہ عقیدت و محبت تھی کہ عزاخانہ کے در پر اُن کی روح نے الفراق کہا۔ مجلسِ حسینؑ میں اُن کا انتقال ہُوا۔ گو کہ وہ آج ہم میں موجود نہیں ہیں۔ لیکن وہ عظیم و بلند ہستی شیعوں میں ہمیشہ زندہ جاوید رہے گی۔ وہ ذاکرِ حسینؑ تھیں اور محبانِ حسینؑ انھیں ہمیشہ یاد رکھیں گے۔ اُن کا قیام محبانِ حسینؑ کے دلوں میں رہے گا۔

یوں تو ذاکر بہت ہوتے ہیں۔ لیکن ہمدرد اور ملنسار ذاکر بہت کم نظر آتے ہیں۔ محترمہ باجی عجز و انکسار کا ایک ایسا تابندہ ستارہ تھیں جس نے اپنی ضیا پاشی سے بزمِ اہلِ بیت کو تذکرہ اہلِ بیت سے روشنی و تابندگی دی۔

وہ ایک بہترین ذاکرۂ حسینؑ تھیں۔ اُن کا بالکل منفرد اندازِ بیاں تھا۔ سب سے جداگانہ اور بہترین۔ اُن کی کمی ہمیشہ محسوس ہوتی رہے گی۔ وہ ایک ایسی شمع تھیں جس نے اپنی مذہبی قابلیت و لیاقت سے ضیا پاشی کی اور اچانک گُل ہو گئی۔

محترمہ رقیہ بیگم احسن

ذکرِ شبیرؑ کیا خوب رُلایا میں نے
مجرئی خلد میں گھر اپنا بنایا میں نے

آٹھ ربیع الاول ۹ بجے شام اچانک دل ہلا دینے والی خبر ملی کہ فرشِ عزائے حسینؑ پر ذاکرہ ابنِ علی نے اپنی صفِ ماتم بچھوا دی۔ گویا یہ فرشِ عزائے حسینؑ اتنا پسند آیا کہ اس کا اٹھنا گوارا نہ ہُوا جنابِ سیدہ کو رخصت کرنے بیٹھی ہیں مگر الوداع کہنے کی تاب نہ لا سکیں۔ منہ سے بے اختیار نکلا "بی بی کنیز بھی ساتھ چلے گی۔" میرا اعتقاد ہے کہ بی بی اپنے لال کی ذاکرہ کی فرمائش رد نہ کر سکیں اور پھر آگے آگے شہزادی کونینؑ اور پیچھے پیچھے کنیزِ خاکِ حسینؑ کا سوگ لئے فرشِ عزا سے رُخصت ہو گئیں۔

محترمہ اُمتہ الحسین بنت راحبہ صاحب محمود آباد

سرزمین لکھنو جو ادب و تہذیب کا گہوارہ رہی ہے جہاں سے ہمیشہ ادبا اور شعرا نے اہلِ بیت اطہار کی خدمت بذریعہ نظم و نثر کی ہے اس میں خواتین نے بھی نمایاں حصہ لیا ہے۔ چنانچہ بیگم ظہیر حسین نقوی کا شمار انہیں خواتین میں کیا جاتا ہے جنہوں نے اپنی دورانِ حیات اہلِ بیت اطہار کے فضائل و مناقب حدیث خوانی اور نظم رثوے و قصائد کے ذریعے لوگوں تک پہنچائے۔ بیگم ظہیر حسین صاحب نقوی نے جو قصائد تصنیف کئے ہیں وہ صرف اظہارِ عقیدت نہیں بلکہ موصوفہ کی شخصیت اور بلندی نفس کی بھی آئینہ داری کرتے ہیں۔ مجھ پر انکے اخلاق و کردار کا بہت گہرا اثر ہوا ہے۔

محترمہ بہ جبیں بانو بنت پروفیسر سید مسعود حسن ادیب

محسنہ باجی سے واقفیت شادی کے بعد ہوئی۔ لیکن ہمارے یہاں سے ان کے تعلقات شادی سے پہلے بھی تھے۔ ہماری والدہ خود بہترین مرثیہ انیس پڑھتی تھیں اور انہیں دوسرے ذاکرین مشکل سے پسند آتے تھے۔ لیکن محسنہ باجی کی مجلسوں میں کچھ ایسی ہی کشش تھی کہ اپنے یہاں کی سالانہ مجالس میں مجلس پڑھنے کی دعوت دینے خود جایا کرتی تھیں۔ ۱۹۷۰ء میں ہجرت کر کے وہ کراچی آئیں۔ ابتدا میں وہ طویل تقریریں کرتی تھیں لیکن وقت کے تقاضوں کے تحت مختصر تقریریں کرنے لگیں۔ وہ سامعین پر چھائی رہتی تھیں۔ انہوں نے کراچی آنے کے بعد ہمارے یہاں صرف ایک مجلس پڑھی اس کے بعد وہ بہت مصروف ہو گئیں اور پھر ایسا موقع نہ آسکا۔

محترمہ بیگم آغا محسن جعفری

محترمہ محسنہ بیگم کے لئے مرحومہ لکھنا عجیب معلوم ہو رہا ہے اور دل پر ایک صدمہ طاری ہے۔ بہرحال موت برحق ہے اور سب کو ایک دن اس دُنیا سے رُخصت ہونا ہے، مگر جس انداز اور وقت میں محرم کی آخری مجلس میں فرش حسینؑ پر مرحومہ نے اس دنیا سے رحلت کی۔ ایسی موت کے لئے دنیا تمنا کرتی ہے اگر موت ایسی ہو جو دنیا میں یادگار رہے تو اس موت کا کیا کہنا۔ میری ملاقات مرحومہ سے مجالس کے سلسلے میں ہوئی مگر مجھے ان سے مل کر بیحد خوشی ہوئی۔ مرحومہ میں ایک خاص بات یہ تھی کہ کبھی مجلس پڑھنے کے لئے انکار نہیں کیا۔ نہ ہی انہیں خود پر غرور تھا۔

سیدہ اُم سلمیٰ بیگم سید حیدر حسینؑ پاشا

محترمہ خاتون سے میرا تعارف مجالس میں ہی ہوا۔ وہ خوش اخلاق اور نیک سیرت بی بی تھیں۔ انہوں نے میرے یہاں آکے کئی مجالس پڑھیں۔ وہ بڑی اچھی ذاکرہ اور اسم بہ مسمی محسنہ اپنے مولا کی اور اپنی قوم کی تھیں۔ وہ محبت کرنے والی بے مثل ذاکرہ تھیں۔ ہمیشہ وقت پر آتی تھیں۔ مگر افسوس کہ ہمارے درمیان سے ایسی ذاکرہ اُٹھ گئی۔ شاید ائمہ طاہرینؑ کو بھی یہ بی بی پیاری تھیں اسی لئے اتنی جلدی پاس بلا لیا۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ ان کے بچے ماشاءاللہ ان کی کمی حتی الامکان پوری کر رہے ہیں۔ ان کی صاحبزادی ان کی طرح با اخلاق ذاکرہ ہیں۔ خداوند کریم مرحومہ کو غریق رحمت کرے اور ان کے بچوں کو نظر بد سے بچائے۔ آمین ثم آمین۔

بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرے بگیری

اقبالؒ

امّی جان کی تصویر

سیّد محسن اختر نقوی

میں کوئی دس سال کا تھا۔ شاید اس سے بھی کچھ کم جب امی نے مجھ سے یہ روایت بیان کی۔

"ملک الموت کا کام ایسا ہے (یعنی روح قبض کرنا) کہ وہ مسکراتا نہیں ہے۔ لیکن کچھ واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ اُس کے چہرے سے بھی تمسخر کا اظہار ہوتا ہے۔ اِن میں سے ایک یہ ہے کہ جب کوئی ایسی عورت جس نے زندگی بھر پردہ نہ کیا ہو مرنے کے بعد اس کے اعزا اس کا چہرہ کفن سے ڈھانپتے ہیں تو ملک الموت مسکراتا ہے کہ جس عورت نے زندگی بھر اپنا چہرہ نہ چھپایا اسے یہ لوگ اُس کی موت کے بعد ڈھانپ رہے ہیں۔"

یہاں یہ بحث نہیں ہے کہ یہ روایت کہاں تک درست ہے یا یہ کہ ایک فرشتے کا مسکرانا کیا معنی رکھتا ہے؟ بلکہ صرف

یہ کہ آج ۲۲-۲-۰ سال کے بعد جب میں اس بات کا تجزیہ کرتا ہوں تو اس نتیجے پر پہنچتا ہوں کہ امی کی نظر میں عورت کے پردے کی اہمیت کس قدر تھی۔ چنانچہ مرحومہ نے اپنی تقاریر میں اکثر و بیشتر پردے کی اہمیت کو خاص طور سے بیان کیا ہے۔ اور اپنی روزمرہ زندگی میں اپنے عمل سے اس بات کو ثابت کیا ہے۔ درآنحالیکہ امی جان مرحومہ اپنی زندگی میں ایک غیر معمولی حد تک ترقی پسند خاتون تھیں۔

اس کتاب کی اشاعت کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ ہم اپنے جذبات کی تسکین چاہتے ہیں اور اپنی ماں کی جو خدمت ہم نہ کر سکے اُس کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں اور اس کتاب میں سب کی تصویروں کے ساتھ بلکہ سب سے زیادہ نمایاں امی جانؒ کی تصویر ہوتی۔ اگر ہمیں یہ خیال نہ ہوتا کہ امی جان اپنی زندگی میں اپنی اس بے پردگی کو کبھی گوارا نہ کرتیں۔

*

میری امّی جان

سنیہ محسن نقوی۔ مرحومہ کی بہو

میری امی جان جنہیں
میں کبھی بھی امی جان کہہ کر نہ پکار سکی۔ اپنی زندگی میں وہ میرے لئے محسنہ خالہ ہی رہیں اور مرحومہ کی شخصیت صرف بحیثیت ایک ذاکرۂ اہلبیت کے ہی میرے سامنے آسکی
نہ صرف یہ کہ اُن کی مجالس عمدہ اور نصیحت آمیز ہوتی تھیں بلکہ اُن کے اخلاق نے بھی ہم سب کو متاثر کیا۔ دوسری ذاکرہ خواتین کی طرح وہ کبھی بھی مجلس پڑھنے سے انکار نہیں کرتی تھیں اور نہ ہی اُن کے کوئی نخرے ہوتے تھے کہ فلاں وقت مجلس رکھو۔ فلاں تاریخ کرو تب پڑھوں گی بلکہ جو کوئی بھی اُن کے پاس جاتا اُن کی تعریف کرتا ہوا لوٹتا۔
وہ ہر جانے والے کو نہایت اصرار سے بٹھاتی تھیں اور فوراً مجلس پڑھنے کا وعدہ کر لیتیں۔ بلکہ ہمیں دوسروں سے وعدہ لینے میں جو مشکلات اُٹھانا پڑتی تھیں وہ ہم ہی جانتے ہیں۔ کم از کم دو تین چکر ہر ایک کے گھر کے لگانے پڑتے تھے۔ اور پھر ہر ایک ذاکرہ کا یہ مطالبہ ہوتا تھا کہ مجلس کا وقت تبدیل کیا جائے۔ لیکن چونکہ امام

بارے میں پورا زنانہ عشرہ ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر مجلس کا وقت ہی ایک ہونا ضروری تھا اور اکثر تو یہ ہوتا تھا کہ بعض خواتین اِس وقت ہمیں ٹالنے کو وعدہ کر لیتیں اور عین مجلس کے وقت ہمیں مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا۔ ایسے نازک وقت پر جب کہ مجمع اکٹھا ہو چکا ہو۔ ہمیں سوائے حسنہ خالہ کے کوئی نظر نہ آتا۔ ایک مرتبہ تو ایسا ہوا کہ وہ ایک گھنٹہ بعد کہیں اور مجلس پڑھنے جا رہی تھیں، ایسے میں ہماری یہاں سے کوئی پہنچا اور ماجرا بیان کیا، وہ مطالعہ میں مصروف تھیں مگر فوراً اُٹھ کھڑی ہوئیں اور آکر نہ صرف یہ کہ ہماری مجلس کو ناکام ہونے بلکہ منتظمینِ مجلس کو شرمندگی اور خجالت سے بھی بچا لیا۔

ہمارے عشرہ کی دو مجالس وہ ہر سال ضرور پڑھتی تھیں اور کبھی کبھی تو انہیں تین مجالس پڑھنا پڑتیں۔ وہ ہمیشہ وقت پر خود تشریف لے آتیں تھیں جب کہ اکثر پڑھنے والوں کو لینے جانا ضروری ہوتا تھا۔ ہمیشہ وہ شروع کی مجلسیں لینا پسند کرتیں۔ جب کہ تمام دوسری خواتین اس بات پر زور دیتی تھیں کہ ہم عشرہ کی آخری مجالس دو تب پڑھیں گے۔

اِن صفات کے علاوہ اُن کے اخلاق اور مشفقانہ انداز نے بھی مجھے بہت متاثر کیا۔ ہر ایک سے ہنس کر بات کرتیں۔ ہمیں کہیں بھی مجلس میں مل جاتیں تو ہمیشہ سر پہ ہاتھ پھیرتیں اور دُعائیں دیتیں اور گھر والوں کی خیریت ضرور دریافت کرتیں یہاں تک کہ اگر راستہ میں بھی کہیں ملاقات ہو جاتی تو خیریت دریافت کرنے میں پہل کرتیں۔

ان ہی سب باتوں کی وجہ سے جب ہم نے اُن کے انتقال کی خبر سُنی تو گھر میں بھی کسی نے بھی اس پر یقین نہ کیا اور ہماری اماں نے بھی کہا کہ خدا کرے یہ خبر جھوٹی ہو اور اگر بیگم ظہیر ہی ہیں تو کوئی اور ہوں حسنہ بیگم نہ ہوں۔ اور یہ خبر کسی

اور کے متعلق ہو۔ لیکن دوسرے دن جب اُن کے بھائی کا فون آیا اور اخبار میں باقاعدہ مجلس کا اشتہار چھپا، اُس وقت بھی دل یہ چاہتا تھا کہ اِس خبر پر یقین کریں اور سچ پوچھئے تو میرا دل اب بھی نہیں چاہتا کہ یہ سوچوں کہ محسنہ خالہ اِس دنیا میں نہیں، ایسا لگتا ہے کہ کسی نہ کسی دن وہ ضرور مجھ سے ملنے آجائیں گی۔ مجھے گلے سے لگالیں گی اور اُن کو امی جان کہہ کر پکارنے کی میری حسرت پوری ہو جائے گی.... کاش ایسا ہوتا۔

لیکن شاید میری اسی شدید خواہش کے پیشِ نظر وہ کئی بار شادی کے بعد میرے خواب میں آچکی ہیں اور جب بھی آتی ہیں ہمیشہ مسکراتی ہوئی اور خوش نظر آتی ہیں شادی سے بیس دن پہلے بھی میں نے اُنہیں خواب میں دیکھا تھا کہ وہ ہنستی مسکراتی ہوئی اپنی بڑی بیٹی شہناز کے ساتھ ہمارے گھر میں داخل ہو رہی ہیں اور مجھے دیکھتے ہی اُن کا انداز کچھ ایسا ہوا جیسے مجھ سے کچھ چاہتی ہیں۔ مجھے اُس وقت اِس بات کا علم نہ تھا اِس لئے میں خواب میں اُن کے آنے کا مطلب نہ سمجھ سکی۔

لیکن آگے آنے والے واقعات وحالات سے یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ کیوں میرے خواب میں آتی تھیں اور مجھ سے کیا چاہتی تھیں۔

مجھے یہ سوچ کر سکون حاصل ہوتا ہے کہ میں نے اُن کی خواہش کو پورا کر دیا لیکن اُن کی کمی جس شدت سے محسوس ہوتی ہے۔ اُس کے اظہار کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں۔

اُن کے بغیر میں اپنی زندگی میں ایک بہت بڑا خلا محسوس کرتی ہوں۔ اور یہ خلا شاید کوئی اور ہستی نہ پُر کر سکے۔

مَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ آلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ شَهِیْدًا

شہیدِ آلِ محمدؐ

محسنہ بیگم

محترمہ بیگم ھادی رضا رضوی بنت شمس العلما مولانا سید سبط حسن صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہٗ

ارشادِ رسالت مآبؐ ہے۔ دیکھو جو محبت آلِ محمدؐ میں مرجائے وہ شہید ہے، مجھ سے کہا گیا ہے کہ میں ذاکرہ اہلِ بیت محسنہ بیگم کی بے وقت موت پر اپنے تاثرات کا اظہار کروں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ محسنہ بیگم صاحبہ حُبِّ اہلِ بیت میں کم نہ تھیں اور انتہائی محبت جس کی دلیل یہ ہے کہ موت آئی بھی تو اُس جگہ جہاں کوئی مرجائے تو قابلِ رشک ہے۔

آسان ہے اور بہت آسان ہے۔ آپ کہیں کہ ہم فلاں کے دوست ہیں مگر مشکل ہے کہ خود محبوب تسلیم کرلے کہ بے شک آپ دوست ہیں۔ سب کہتے ہیں کہ آلِ رسول کا دوست ہم سے زائد کوئی نہیں۔ مگر یہ امر ہونا مشکل ہے کہ اہلِ بیت خود بتائیں کہ یہ ہمارا دوست ہے۔ اور وہ اس طرح بتائیں کہ جب مجلس سیدالشہدا علیہ التحیۃ والثنا برپا ہو۔ اور مجلس بھی وہ مجلس جو وداعی ہو جب

میں حسینؑ کو رخصت کیا جارہا ہو۔ آلِ محمدؐ کو وداع کیا جارہا ہو۔ تو حکم ہو جناب فاطمہؑ زہرا سیدۃ النساء العالمین کا کہ تم بھی بس ہمارے ساتھ چلو۔ فاطمہؑ زہرا سے زیادہ قدر شناس کون ہوگا۔ آلِ محمدؐ سے بڑھ کر مرتبہ شناس کون ہوگا وہ جانتے ہیں اور ہم سے بدرجہا بہتر جانتے ہیں۔ کون ہمارے پاس رہنے کے قابل ہے۔ اور کون الگ ہو جانے کے لائق ہے۔ مرنے والا بھی خوش کہ جارہا ہوں تو ایسے کے ساتھ جو مالکِ جنت ہے۔ بلانے والا بھی خوش کہ ہمارا دوست چلے ہی پاس آرہا ہے۔ اور اسی موت کو جناب قاسم ابن حسنؑ علیہ السلام نے بتایا ہے کہ وہ موت جو محبت ذوی القربیٰ میں آجائے وہ موت شہد سے زیادہ شیریں ہے۔

محسنہ بیگم صاحبہ مرحومہ تو جوارِ رحمتِ الٰہی میں ہیں۔ قربِ آلِ محمدؐ میں ہیں مگر رونا اس کا ہے ہمیں کہ خدا کی بہترین نعمت ہم میں سے اُٹھ گئی۔ ہماری ایک مقبول ذاکرہ ہماری نگاہوں سے چھپ گئی۔ انتظار تھا کہ وہ ہر محرم میں میرے روش بدوش مجالس پڑھیں گی اور ممکن تھا کہ خود میرے گھر میں پڑھتیں۔ مگر یکایک خبر ملی کہ یہ آرزو چھوڑ دو۔ اس خبر نے میرا دل توڑ دیا۔ میری آرزوئیں مٹا دیں۔ میں نے سُنا اور دل تھام کر سُنا کہ کل تک جو سب کو رلاتی تھیں۔ آج اُن کے غم میں سب رو رہے ہیں۔

محسنہ بیگم صاحبہ مرحومہ جنت سے اُٹھ کر جنت میں گئی ہیں۔ اس لئے کہ مجلس جنت ہے جبکہ برپا ہو جائے۔ اس لئے کہ جنت کے بسنے والے، بلکہ سردار جوانان جنت اور شفیعِ روزِ جزا فاطمہ زہرا وہاں تشریف لاتی ہیں۔ خوشا نصیب اُس کے جو فرشِ مجلس پر مر جائے۔ یہ موت ہائے انبیاء میں سے ہے۔

جناب موسیٰ علیہ السلام ایک مرتبہ کہیں تشریف لے جارہے تھے دیکھا

پہاڑی پر ایک شخص قبر کھود رہا ہے۔ پسینے میں عرق عرق ہے۔ چونکہ نبی تھے خلقِ نبوی غالب آیا۔ خیال کیا کہ اس کی مدد کرنی چاہیئے۔ قریب آئے اور اس کے ساتھ قبر کھودنے میں شامل ہوئے۔ جب قبر کھُد گئی تو وہ شخص سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ جناب موسیٰ نے پوچھا "کیا بات ہے کیوں پریشان ہو۔" جواب ملا "معلوم نہیں کہ جس کے لئے میں یہ قبر کھود رہا ہوں۔ اس کے لئے یہ قبر ٹھیک ہے یا نہیں۔ پوچھا وہ کیسا تھا۔ کہا "یا نبیِ خدا اُس کا قد آپ ہی کے قد کے برابر تھا۔ جناب موسیٰ نے فرمایا "اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ "میں لیٹ کے دیکھے لیتا ہوں۔ اِدھر جناب موسیٰ قبر میں لیٹے اُدھر خدا نے حجاباتِ آسمان اٹھا دیئے آواز دی موسیٰ اب آجاؤ۔ جناب موسیٰ راضی ہوئے اور انتقال ہو گیا۔ ایسی طرح اور مثالیں بھی ہیں۔ اللہ نے ستر قسم کی موتیں خلق کی ہیں جس کے جیسے اعمال اُس کی ویسی موت، لوگ ہر آن، ہر لمحہ اِس دارِ فانی سے کوچ کرتے رہتے ہیں۔ مگر حقیقت میں مومن کی موت وہ ہے جس سے لوگوں کے دل ہل جائیں۔ آنکھیں اشکبار ہو جائیں۔ ایسی موتیں بلند انسانوں کے حصے میں آتی ہیں۔

محسنہ حکیم صاحبہ کا نام اُن کی ماں نے غلط نہیں رکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ احسان کرنے والی ہستی تھیں۔ انسان کی زندگی میں ایسے لمحات بھی آتے ہیں کہ وہ اپنے دوستوں کو پرکھے کہ حقیقت میں وہ دوست کہے جانے کے قابل ہیں یا نہیں۔ لہٰذا میرے لئے بھی وہ لمحہ آیا کہ میں اپنی زندگی میں کبھی کبھی اُن لمحوں کو یاد کر کے دوستی کا کیف محسوس کروں۔

۲۷ محرم کو میں اور محسنہ بہن ایک مجلس میں باہم ملے۔ مجلس میں مجھے پڑھنا تھا اور وہ شرکت کے لئے آئی تھیں۔ ویسے بھی وہ جہاں ملتیں بڑے

تپاک سے بڑی خندہ پیشانی سے مجھ سے پیش آتی تھیں اور تسلیم و مزاج پرسی کے بعد بڑی محبت سے احوال پوچھتیں۔ اُس دن بھی اُن کا چہرہ گلاب کی مانند کِھلا ہُوا تھا۔ مجلس ختم ہونے کے بعد ہم دونوں قریب بیٹھے تھے۔ اُنھوں نے مجھے اپنی مجلس میں شریک ہونے کی دعوت دی اور میں نے انھیں اپنے یہاں مجلس میں تشریف لانے کو کہا۔ یہ وہ مجلس تھی جو ہمیشہ میرے والد مولانا سیّد سبط حسن صاحب قبلہ کے دیسے کی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ میرے یہاں کی مجلس ۸ محرم کو دوسرے ہی دن ہونے والی تھی۔ اُنھوں نے پوچھا کہ آپ کے یہاں کون مجلس پڑھے گا۔ میں نے جواب دیا کہ میں خود ہی پڑھتی ہوں۔ بولیں کہ میں چاہتی ہوں کہ میں آپ کے یہاں مجلس پڑھوں اس لئے کہ کچھ واقعات آپ کے والد کے متعلق مجھے بیان کرنا ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ بسر و چشم آپ ضرور پڑھیں۔ وہ راضی ہوگئیں۔ اللہ انھیں غریقِ رحمت کرے۔ لیکن اِس چیز سے اِنکار نہیں کیا جا سکتا کہ انھوں نے میرے لئے مشقت برداشت کی۔ اِس لئے کہ ایک ذاکر کے لئے فوراً ایک مجلس پڑھی بلکہ ایک ہمدرد کی طرح خود بھی ایک عالم کی موت پر آنسو بہائے اور لوگوں کو بھی رُلایا۔ اُس دن سے اُن کی محبت میرے دل میں پیدا ہوئی۔ اور آج میں اُن کے لئے آنسو بہاتی ہوں۔

آج کی حسد سے بھری ہوئی دُنیا میں ایسا ظرف ملنا مشکل ہے۔ اس مجلس پڑھنے کا یہ اثر ہوا کہ جس دن اُنھوں نے انتقال فرمایا۔ میرے تمام گھر والوں نے نمازِ وحشت پڑھی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ آج میں اُن کی محبت کے لئے اُن کو اپنی نمازوں میں یاد کرتی ہوں۔ اور میں سمجھتی ہوں کہ وہ ایسی عظیم ہستی تھیں جن کے لئے وہ ہستیاں جو تاجدارِ ملکوت ہیں بے چین تھیں۔

ربیع الاوّل کی شب میں میری چھوٹی لڑکی سکینہ آسیہ نے خواب میں دیکھا کہ ایک جگہ مجلس ہو رہی ہے اور بعد مجلس چار بیبیاں ایک جنازے کو اپنے کاندھوں پر اُٹھائے لئے جا رہی ہیں اور جب وہ رکھا گیا تو اُس میں محسنہ بیگم لیٹی ہوئی ہیں۔

اور میں نے خواب میں دیکھا کہ مسیب صاحبؑ جو جلوس آٹھ ربیع الاوّل کو اُٹھاتے ہیں۔ جا رہا ہے۔ جاتے جاتے جلوس میں ایک علم سرنگوں ہو گیا۔

اِس خواب سے صاف ظاہر ہے کہ کوئی عالم دُنیا سے اُٹھ رہا تھا۔ کیونکہ ہماری ملّت میں علم کے معنی پرچم کے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی عظیم ہستی دُنیا سے اُٹھتی ہے، پرچم سرنگوں ہو جاتا ہے۔ بڑی منزلت ہے ذاکر کی۔ ائمہ طاہرینؑ کے نزدیک بشرطیکہ وہ بھی اپنی منزلت کو پہچانے۔ جہاں تک میں نے اُن کی شخصیت کا مطالعہ کیا۔ نہ اُن میں حسد پایا۔ نہ میں نے کسی کی بُرائی کرتے سُنا ؎

یکسر خلوص مہر و وفا محسنہ ظہیر
دل سے فدائے آلِ عبا محسنہ ظہیر
زینبؑ کے ساتھ سوگ بڑھانے کی آرزو
لے کر گئی ہیں کرب و بلا محسنہ ظہیر

✳

میری آپا

• سید مظاہر عباس نقوی (ایم اے ایل ایل بی)

مرحومہ کے برادرِ عزیز ــــــــــــــــــــ

حادثہ زندگی کا ایک جزو ہے لیکن کسی خاص حد تک جب یہ حادثہ زندگی کے بوجھ سے دبا رہتا ہے اُسے زندگی میں شامل سمجھا جاتا ہے۔ لیکن جب وہ زندگی کو کچھ اِس طرح فریب دے کر بازی جیت لیتا ہے۔ جس طرح ایک شاطر اپنے مدمقابل کو اچانک شہ دے کر اپنی فتح کا اعلان کر دیتا ہے۔ تو زندگی اور حادثے کا یہ کھیل شکست کی طرح تلخ ہو کر رہ جاتا ہے ـــــ میری آپا کی اچانک موت ایک ایسا حادثہ ہے جو تلخی سے بھی زیادہ اذیت ناک ہے ـــــ اُن کا ہم سے چھن جانا ہماری بے بسی اور شکست ہے۔

میری آپا، میرے والدِ محترم جناب ظفر عباس صاحب عرف دلشاد میاں کی سب سے بڑی اولاد تھیں اور اسی لحاظ سے بزرگی کا لبادہ گفتار، کردار و اطوار پر چڑھا ہوا تھا۔ ہر لحظہ آپا کے تیور یہ بتاتے تھے کہ کسی بھی وقت اُن کو کوئی بات بری لگ جائے گی اور وہ ہم سے خفا ہو جائیں گی۔ لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب اسکول میں چھٹیاں ہوتیں تو معلوم نہیں کون سی محبت تھی جو والد سے منت سماجت کر کے ہم دونوں بھائی برادرِ عزیز میجر

شاہ نقوی)، لکھنؤ میں آپا کے پاس پہنچ جاتے۔ آپا کی شفقت، والدین کی شفقت سے کچھ کم نہ تھی۔ طرح طرح سے خاطریں کرتیں اور ہم آپا سے اس طرح بہت قریب ہو جاتے، لیکن بزرگی کا خیال ہمیشہ ہمارے دل میں رہتا۔

موت پر کس کو یقین نہیں! اگرچہ اس کرۂ ارض پر ہر چیز فانی ہے۔ لیکن کچھ ایسی باتیں ضرور باقی رہ جاتی ہیں جس کو انسان ضرور یاد رکھتا ہے اور اگر یہ یادیں قلم کے سپرد ہو جائیں تو وہی شخصیت کی عظمت ہے۔ ایک بھائی اپنی بہن کی وفات پر جس قدر آنسو بہائے وہ کم ہے اور پھر ایسی بہن جس نے اپنے بھائی کو اپنی گود میں ماں کا سکون تو نہیں، البتہ بہن کی محبت و خلوص و گرمی ضرور دی میں بہت چھوٹا تھا تو اکثر گھر میں باتیں ہوتیں، آپا میری بچپن کی باتیں کچھ اس انداز سے دُہراتیں کہ ماں کی یاد تازہ ہو جاتی۔ کسی کے لئے کم لیکن میرے لئے وہ حیرت کا باعث ضرور ہوتیں۔ خداوندِ عالم نے اُنھیں حافظہ اس بلا کا دیا تھا کہ کس رشتے کو پوچھو، کسی سال کی بات معلوم کرنا چاہو۔ کسی تعلقِ دیرینہ کو یاد کرنا چاہو تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ آپا ایک تاریخ کی کتاب ہیں جنہیں ایک ایک بات زبانی از بر ہے۔ قریب قریب زندگی کے ہر شعبے میں اور ہر موضوع پر اظہارِ خیال کرتیں۔ اپنے اظہارِ خیال کے ساتھ ساتھ اپنی مخصوص مسکراہٹوں سے کبھی انیس کے اشعار پڑھ دیتیں اور کبھی میر و غالب کے اور ان کا برمحل استعمال میرے لئے بڑی حیرت کا باعث ہوتا تھا۔ حافظہ کا یہ جادو اُن کے لئے ایک نعمت تھا اور ان یادداشتوں کو تازہ کرنے کا ذریعہ مختلف محفلیں تھیں بزرگوں کی۔ خوردوں کی اور اپنی خاص سہیلیوں کی۔

آپا جب بھارت سے پاکستان آئیں تو سب سے پہلے لاہور اسٹیشن پر میرے برادرِ عزیز منتظر میاں نے انھیں خوش آمدید کہا۔ اور اسٹیشن پر جب

قلمی سامان اُٹھانے لگے تو غالباً کسی صندوق کو اٹھانے کے لئے احتیاط شرط تھی، شاید کچھ بے احتیاطی ہوگئی آپا ناراض ہوئیں تو فوراً مزاحیہ انداز میں منتظر میاں نے قلیوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"جانتے نہیں یہ ہمارے خاندان کی حضرت علیؑ ہیں جو کچھ کہیں اُس پہ عمل کرو۔"

یہ جملہ ہماری آپا اکثر دُہرایا کرتی ہیں اور منتظر کی اِس شرارت پہ دل ہی دل میں خوش ہوتی ہیں۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ خوش آمدید کہنے والا یہی بھائی قبر کی آغوش میں بھی اُتارے گا اور باحسرت دیاس اپنا آخری سلام اِس انداز سے ادا کرے گا کہ دیکھنے والے اِن نقوش کو دل کی گہرائیوں میں ثبت کریں گے اور قلم خون کے آنسو رو رہا ہوگا۔

مجھے نہیں معلوم کہ آپا کو مجالس پڑھنے کا شوق کب سے ہوا۔؟ لیکن اتنا ضرور یاد ہے کہ والدِ مرحوم کی طرح امامِ مظلوم کی یہ خدمت عرصے سے جاری تھی جب سے پاکستان آئی تھیں اِس سلسلہ میں خواتینِ رضویہ اور دیگر جگہوں پر اُن کا چرچا عام تھا اور خطابت و ذاکری اُن کی زندگی بن گئی تھی۔ میری آپا ہر وقت اِس فکر میں رہتیں کہ کون سا وقت نکالوں اور کس طرح امام حسینؑ کی یہ ادنیٰ خدمت پایۂ تکمیل تک پہنچاؤں۔ ایک رجسٹر باقاعدہ تیار رہتا اور بیبیاں آتیں اور اپنا نام، دن، تاریخ اور وقت لکھوا کر چلی جاتیں اور آپا کا یہ حال کہ کیا مجال کہ اپنے وعدے پر نہ پہنچیں۔ اور کسی کی دل شکنی کردیں۔

آخری مجلس میرے گھر کے قریب رات کو گیارہ بجے پڑھنے آئیں۔ میری طبیعت کچھ ناساز تھی۔ بچوں سے پوچھا، خود بخود میرے آرام کا خیال کرتے ہوئے کہنے لگیں۔" منظاہر اب سو چکے ہوں گے۔ نیند خراب ہوگی۔ اِس وقت میں

اُس کے آرام میں خلل نہیں ڈالوں گی۔"

اور پھر ایک جملہ یہ بھی کہا کہ ۔ "بھائی بچپن سے اُسے دیکھا ہے نازک مزاج ہیں اور ہم نے بڑے ناز اُٹھائے ہیں اس لئے کل اُسے دیکھنے ضرور آؤں گی۔" افسوس کہ وہ "کل" کبھی نہ آیا۔ موت نے انھیں ایسا ساکت کر دیا کہ ۸ ربیع الاوّل کو اپنے عزاخانے میں دورانِ مجلس امام حسن عسکریؑ کے حال کا مرثیہ پڑھوا تے پڑھواتے اِس دُنیا سے کوچ کر گئیں ۔ ذاکرۂ حسینؑ کی روح ذکرِ مظلوم میں تحلیل ہو چکی تھی۔ اُن کی جدائی کے احساس نے دل کو بوجھل کر دیا ہے۔ اور قلم تحریر سے گریزاں ہے۔

سُنا ہے کہ علامہ رشید ترابی اعلیٰ اللہ مقامہ کو اپنی ذات پر عرفان تھا اور ایک دن جب کہ اُن کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو چھت کی طرف دیکھنے لگے اور منہ سے یہ الفاظ ادا ہوئے۔

"چلو یہ تو طے ہو گیا کہ میرا زوال منبر پر نہیں ہوگا بلکہ بستر پر۔"

لیکن معلوم نہیں میری آپا نے کیا باتیں کیں۔ اور کون اپنی آغوش میں لے گیا۔ اتنا ضرور ہے کہ یہ ذاکرۂ اہلِ بیتؑ اپنا صلہ ضرور پا گئیں اور ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔

محوِ ماتم ہے منبر خاموش
کون مجلس سے ہو گیا روپوش

آپا۔ ! یہ زندگیٔ جاوداں مبارک ہو اور یہی تھا شہیدِ حق کی عنایات کا اثر جسے ہماری آنکھوں نے دیکھ لیا۔ اللہ عزوجل سے دُعا ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے آپکی نیکیوں کو قبول فرمائے۔ (آمین) آپ ہم سے جدا ہو چکی ہیں لیکن آپ کے دینی کارناموں

کی خوشبو سے فضا اب بھی معطر ہے لیکن ہمارے پاس کیا ہے؟
بجز ایصالِ ثواب، حسین یادوں اور قطراتِ اشک کے۔۔!

مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں
یہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں
مرنے والے کی جبیں روشن ہے اِن ظلمات میں
جس طرح تارے چمکتے ہیں اندھیری رات میں

آخری مجلس

بیگم آلِ علی زیدی

محسنہ بیگم صاحبہ مرحومہ میرے یہاں تقریباً آٹھ سال سے مجلس پڑھ رہی تھیں۔ ۱۹ ر رمضان، ۳ جمادی الثانی (شہادتِ سیدہ) اور ۲۱ ر صفر کی سالانہ مجلس میرے یہاں پڑھتی تھیں۔ انہوں نے اپنی زندگی کی آخری مجلس میرے عزا خانے پر ۷ ر ربیع الاوّل کا دن گزار کر ۸ ر ربیع الاوّل کی شب میں ۸ بجے پڑھی تھی۔ سوا گھنٹے تک انہوں نے تقریر کی۔ فضائل میں انھوں نے بیان کیا کہ اپنی مجلسوں کو زینت دو ذکرِ علی ابنِ ابی طالب سے۔ کہ یہ عبادت ہے۔ (حدیثِ رسول)

اس کے بعد انہوں نے بیان فرمایا کہ اگر محبتِ اہلِ بیتؑ میں موت آ جائے اور مرنے والا ایسے مقام پر انتقال کرے جہاں چہاردہ معصومینؑ آتے ہوتے ہوں تو اُس کی موت کا کیا کہنا۔ وہ موت کتنی عظیم ہوگی۔ اور اُس پر نزع کی سختی آسان ہو جائے گی۔ مصائب میں انھوں نے فرمایا کہ حسینؑ ۴ مہینے سے کربلا کس طرح پہنچے۔ یہاں سے ربط دیا اور شہادت امام حسن عسکریؑ کے مکمل حالات بیان فرمائے۔ انہوں نے امام حسینؑ کی رخصت اور امام حسن عسکری سے ولیِ عصر کی جدائی کا بیان انتہائی درد انگیز کیا تھا اور اب تو وہ خود ہی ہم سے رخصت ہو گئیں.... اُن کے انتقال سے بہت بڑا خلا ہو گیا ہے۔

مرحومہ میں انکسار بہت تھا۔ وہ بہت سادہ طبیعت کی مالک تھیں۔

انہوں نے دوسرے ذاکروں کی طرح کبھی غرور نہیں کیا۔ میں نے اُن سے جب مجلس پڑھنے کے لئے کہا۔ انہوں نے انکار نہیں کیا۔ انہوں نے ہم سے اپنی خاطر تواضع کی کبھی خواہش نہیں کی۔ حد ہے وہ اپنے پان بھی اپنے ساتھ رکھتی تھیں اور اس ادنیٰ خدمت کا موقع بھی کسی کو نہیں دیتی تھیں۔

وہ بڑی عالمہ بی بی تھیں۔ مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ شکرانے کی نماز واجب کی نیت سے پڑھی جاتی ہے۔ یہ بات مجھے مرحومہ نے بتائی۔

ان کی تقریروں میں فضائل بھی ہوتے تھے۔ مسائل بھی ہوتے تھے۔ مصائب بھی ہوتے تھے۔ اس قدر عالمانہ مجلسیں اور اس قدر بہترین مجلسیں میں نے آج تک کسی خاتون ذاکرہ کی نہیں سُنی ہیں۔ اور اُن کے علم کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اکثر میں اُن کو مجلس میں بلا لیتی تھی لیکن موضوع اُسی وقت یاد آتا تھا ایک بار مجلس سیدالشہداء کے لئے مدعو کیا۔ لیکن میں نے کہا آج امام علی رضاؑ پر مجلس پڑھئے۔ انہوں نے سیرت علی رضا علیہ السلام پر شہادت تک ایسی عالمانہ مجلس پڑھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ تیاری کرکے آئی تھیں۔

جب آخری رات مجھ سے رُخصت ہوئی ہیں تو بہت دیر تک میرے عزاخانے میں علم کو پکڑ کر روتی رہیں اور کربلا کے مصائب یاد کرکے بین کرتی رہیں۔ میں نے سوچا بھی کہ اس قدر تڑپ تڑپ کر کیوں رو رہی ہیں۔ جب چلنے لگیں تو میں دروازے تک رُخصت کرنے گئی۔ بار بار کہتی تھیں۔ دیکھئے کل ہمارے یہاں کی مجلس میں ضرور آیئے گا۔

وہ جیسی عظیم بی بی تھیں۔ ویسی ہی اُنھیں عظیم موت بھی نصیب ہوئی۔ خدا ان کے درجاتِ عالی کو اور بلند کرے۔ (آمین)

ایک تاثّر

مرحومہ کے معالج ڈاکٹر سیّد ذیشان حسین

میری ملاقات محترمہ محسنہ بیگم مرحومہ سے اُن کی زندگی کے آخری تقریباً پانچ سال سے علاج معالجے کے سلسلے میں ہوئی۔ اس کے علاوہ مجھے یہ معلوم تھا کہ مرحومہ میری خوش دامن صاحبہ کے گھر محرم کی مجالس میں ذاکری فرماتی تھیں۔ مجھے جناب سیّد ضمیر اختر نقوی مرحومہ کے نہایت لائق فرزند جو خود بھی ذاکرِ اہلِ بیت ہیں معلوم ہوا کہ مرحومہ کی پیدائش ۱۹۱۸ء میں ہوئی تھی اور وفات دو اپریل ۱۹۸۴ء کو اچانک قلب کے عارضے میں ہوئی۔

میرے پاس مرحومہ اکثر آتی رہتی تھیں اور جوڑوں کے درد کی شکایت اُن کو رہتی تھی جس کا وقتاً فوقتاً علاج رہتا تھا۔ کبھی کبھی وہ گولیاں یا کیپسول لکھوا لیتی تھیں اور بازار سے منگا کر استعمال کیا کرتی تھیں جس سے اُن کے جوڑوں کے درد میں افاقہ ہو جاتا تھا۔ کمزوری کے لئے کبھی B. COMPLEX TABS کے انجکشن بھی لگا دیا کرتا تھا۔

قلب کے متعلق انہوں نے کبھی کوئی شکایت نہیں کی۔ میں نے بسا اوقات اُن کا بلڈ پریشر بھی چیک کیا جو بالکل نارمل ہوتا تھا۔

مرحومہ کی زندگی کافی مشغول تھی۔

اور محرم کے دنوں میں تو مرحومہ کی مصروفیات بہت بڑھ جایا کرتی تھی کئی کئی مجالس اُن کو ایک دن میں پڑھنا پڑتی تھیں۔

مرحومہ نہایت نیک خوش اخلاق اور ملنسار تھیں۔ مجالس پڑھنے کے سلسلے میں کسی قسم کے حیلے بہانے یا اپنے کو بڑا ذاکر ظاہر کرنے کی ہرگز کوشش نہ کرتی تھیں میں نے مرحومہ کا ہمیشہ ادب کیا اور دل سے اُن کی عزت کی بلکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ مجھے علماء، شعراء، ادیب اور ذاکرِ اہلِ بیت کی خدمت کر کے ایک دلی سکون ملتا ہے۔ کیا عجب کہ مجھ گناہ گار کی نجات اِن ہی بزرگ حضرات کے طفیل ہو جائے آمین۔

مرحومہ چونکہ خود نیک سیرت و نیک طینت تھیں اور علمائے کرام کے گھرانے سے اُن کا تعلق تھا اس لئے انہوں نے اپنے بچوں کی تربیت بھی اُنہی خطوط پر کی اِس لئے اُن کے بچے بھی ماشاءاللہ ہونہار، نیک سیرت، بااخلاق اور سعادت مند اولاد ثابت ہوئے۔ مرحومہ کے ایک فرزند جناب سید ضمیر اختر نقوی تو ماشاءاللہ بہت اچھی ذاکری کرتے ہیں۔ ادب اور شعر و شاعری سے بھی اُن کو لگاؤ ہے۔ میر انیس کے والہانہ مداحوں میں شامل ہیں اور غالباً خود بھی شعر کہتے ہیں۔ حال ہی میں کوئٹہ مجلس میں تشریف لے گئے تھے۔ ایک فرزند انگلستان میں ہیں اور غالباً وہیں کی شہریت اختیار کر لی ہے۔

مرحومہ کے شوہر جناب سید ظہیر حسن صاحب نقوی نہایت ہی خوش اخلاق اور عالی درجے کے انسان ہیں۔ میں اُن کی شرافت اور حسنِ اخلاق سے بہت متاثر ہوا ہوں۔

الغرض مرحومہ کے گھر کے سب افراد پڑھے لکھے، تعلیم کے دلدادہ، خصوصاً مرثیے کی طرف زیادہ رُجحان۔ شرافت اور حسنِ اخلاق سے آراستہ ہیں۔ ایک واقعہ مجھے اور معلوم ہوا کہ ڈاکٹر سید دلاور عباس صاحب کی گزشتہ دنوں میں کچھ طبیعت خراب ہوگئی تھی اور اُن کے سینے میں درد رہتا تھا تو مرحومہ نے ڈاکٹر صاحب

کی خوش دامن کو بتایا تھا کہ " سورہ ھل اتی " پڑھ کر ڈاکٹر صاحب کے سینے پر پھونک دیں۔ سورہ کی برکت سے ڈاکٹر صاحب کے سینے کا درد جاتا رہا۔ دُعاؤں میں بڑی برکت اور بہت اثر ہوتا ہے۔ میرا ایمان ہے کہ جہاں دوائیں فیل ہوتی ہیں وہاں دُعائیں اپنا کام دکھاتی ہیں۔
ائمہ علیہ السلام دُعاؤں سے علاج کرتے تھے اور لوگوں کو شفاء ہوتی تھی۔

آخر میں میری دُعا ہے کہ مرحومہ کو اللہ اپنے نیک اور برگزیدہ بندوں میں شامل کرے اور ان کو جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔ مرحومہ کے متعلقین کو صبرِ جمیل عطا کرے اور مرحومہ کی کوئی بھی دختر اپنی والدہ کے مشن کو آگے بڑھائے یعنی ذکرِ اہلِ بیت جاری رکھے اِس لئے کہ یہی ہمارے لئے مشعل راہ ہے اور یہی زندگی کا سرمایہ ہے۔ غم حسینؑ ہی سب کے غموں پر تا قیامت حاوی رہے گا۔ اگر یہ غم نہ ہوتا تو خدا جانے ہم میں سے کتنے لوگ دیوانے ہو جاتے، نہ جانے کتنے اپنے آپ کو ہلاک کر لیتے۔ امام حسینؑ نے مرنے اور جینے دونوں کا قرینہ سکھا دیا ہے۔ کربلا ایک درس گاہ ہے۔ یقیناً وہ حضرات بہت خوش نصیب ہیں اور قابلِ ستائش ہیں جنہوں نے آلِ رسول کے ذکر کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا ہے۔ چاہے یہ کام نظم کے ذریعے کیا یا نثر میں کیا۔ بیشک بہت بڑا کام کیا۔ خدا اُن کو اجرِ عظیم دے گا۔

میں ایک گناہ گار انسان اپنے پروردگار سے التجا کرتا ہوں کہ پالنے والے صدقہ محمدؐ و آلِ محمدؐ میرے گناہ کو بخش دے اور مجھے جہنم کے عذاب سے بچا۔

ماں کا دل

شہناز نقوی

آج میں اپنے قلم سے اُس عظیم ہستی کے لئے اپنے افکارِ پریشاں کو مجتمع کر رہی ہوں۔ جس نے مجھے قلم چلانا سکھایا۔ اور یہی وہ ذات تھی جس نے میرے تعلیمی شوق کو پروان چڑھایا۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس واقعے کو لکھوں اور کس واقعے کو چھوڑ دوں کیونکہ شعور کی حدوں سے لے کر اب تک کی زندگی میں سینکڑوں ایسے مواقع ہیں جن پر "میری ماں" کی بلند کرداری اور عظمتوں کی چھاپ ہے۔ امی نے ہمیشہ یہی کہا کہ

"میں اپنی اولاد کو علم کے میدان میں سربلند دیکھنا چاہتی ہوں"

کبھی بھی گھریلو باتوں کو ہم سب کی تعلیم پر اثر انداز نہیں ہونے دیا۔

جب ہمارے امتحان ہوتے تھے تو بڑا خیال رکھتی تھیں۔ دو تین مہینے پہلے سے ہی کوئی کام نہیں کرنے دیتی تھیں تاکہ یکسوئی سے تیاری ہو سکے۔ کامیابی کے لئے ہر نماز میں دُعا کرتی تھیں۔ پھر جب امتحان ختم ہونے کے بعد ہم لوگ نتیجے کا انتظار کرتے تھے امی ہم لوگوں سے بھی زیادہ بے چینی سے انتظار کرتی تھیں اور جب ہم لوگ کامیاب

ہوتے تو امی ہماری کامیابی پر اس طرح خوش ہوتی تھیں جیسے کوئی باغبان گلشن میں کھِلے نئے پھول کی شکل میں اپنی ریاضت کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔

رمضانُ المبارک کے مہینے میں میرے امتحان ہو رہے تھے تو مجھ سے کہا کہ "روزے بعد میں رکھ لینا کمزور ہو جاؤ گی اِس لئے کہ دوہری محنت پڑے گی۔"...

میرے مالک کہاں ہیں وہ آنکھیں جو میرا انتظار کرتی تھیں کہ کب میں پرچہ کر کے یونیورسٹی سے واپس آؤں.... جب میں پرچہ کرنے کے لئے گھر سے نکلنے لگتی تو اُس وقت نہ معلوم کون کون سی دُعائیں پڑھ کر دم کیا کرتی تھیں..... اور اس کا اثر یہ ہوتا کہ پرچہ کرتے وقت گھبراہٹ خود بخود کم ہو جایا کرتی تھی اور میں نہائی پُرسکون ہو کر پرچہ حل کیا کرتی تھی۔ میری کلاس فیلو لڑکیاں بڑی حیرت کرتی تھیں اور پوچھتی تھیں اس قدر پُرسکون ہو کر کیسے بیٹھتی ہو۔

۲ر اپریل کو امی نے سفرِ آخرت اختیار کیا اور چار دن بعد ۶ر اپریل کو میری ماں کی دُعاؤں کا ثمر مجھے ملا اور میں نے "ایم اے" کر لیا۔ میری تعلیمی زندگی کا حاصل امی کی دعاؤں کے طفیل ہی مجھے ملا۔ اس گھڑی کا انتظار کرتے ہوئے امی دُنیا سے چلی گئیں۔

امی نے پتہ نہیں کیا کیا پروگرام بنائے تھے جس طرح چار مہینے پہلے پر دین کے "بی اے" کرنے پر "جشن" منعقد کیا تھا۔ تمام عزیز رشتے دار اور ہماری سہیلیاں مدعو تھیں۔ لیکن میری بدنصیبی کہ میری کامیابی پر میری "ماں" نہیں تھی۔ کامیاب ہونے پر میں نے خدا کا شکر ادا کیا لیکن خوشی جسے کہتے ہیں وہ میری زندگی سے نکل چکی ہے مجھے اب اس کا احساس ہی نہیں رہ گیا ہے۔ سانس آرہی ہے اور جا رہی ہے اس لئے زندہ ہوں۔ ماں کے بغیر زیست بے مزہ ہو گئی ہے۔

کیا بتاؤں کہ میری امی کیسی تھیں۔؟ اُن کی زندگی کے کس پہلو کو پیش کروں

اور کس گوشۂ زندگی کو چھوڑ دوں ۔ اُن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ایسا ہے جس سے سبق لیا جا سکتا ہے ۔ اُن کے علم و قابلیت پر لکھوں یا ذاکری پر اظہارِ خیال کروں ۔ یا آغازِ ایامِ عزا میں اہتمام کیا کرتی تھیں اس پر قلم اُٹھاؤں ۔ ۔ ۔ ۔ اُن کے خلوص پر روشنی ڈالوں یا بحیثیت "ماں" اُنکی زندگی کے پہلوؤں پر نگاہ ڈالوں ۔ اُن کے کردار کا ہر پہلو عظیم نظر آتا ہے ۔ اگر حالات نے ساتھ دیا تو انشاءاللہ امی کی سوانحِ حیات قلم بند کروں گی ۔ اُنہوں نے تقریباً چالیس سال ذاکریٔ امام مظلومؑ کے ذریعے قوم کی خدمت کی ۔ بقول نسیم امروہوی صاحب ۔ ع

زنانِ قوم کی چالیس سال خدمت کی
جھکا کے سر شہِ والا کے آستاں کی طرف

جس طرح وہ دینی خدمت میں کامیاب تھیں بالکل اسی طرح وہ گھریلو ماحول میں بحیثیت "ماں" کے عظیم نظر آتی ہیں ۔ ایک سال گزر جانے کے بعد بھی دل امی کو مُردہ ماننے پر تیار نہیں ہے ۔ اُن کی آواز اب بھی کانوں میں گونج رہی ہے ۔ ایک ایک نصیحت یاد آتی ہے ۔ کسی بھی کام کو کرنے سے پہلے انتہائی سوچنا پڑتا تھا کہ یہ کام امی کی مرضی کے خلاف تو نہیں ہوگا ۔

جولائی میں امی راولپنڈی گئی تھیں ۔ واپسی میں سیلاب کی وجہ سے تاخیر ہوئی واپسی انتہائی خطرناک راستوں سے ہوئی ۔ راستے میں ایک حادثہ ہوتے ہوتے رہ گیا ۔ ٹرین میں آگ لگ گئی ۔ جس کو جلدی ہی بجھا دیا گیا ۔ جب اُنھوں نے بتایا تو مجھے یاد آیا کہ میں نے اسی طرح کا خواب اُسی روز دیکھا تھا کہ امی سفر کر رہی ہیں اور ٹرین میں آگ لگ گئی ہے ۔ لیکن امی کا سفر اس قدر اہتمام سے ہوتا تھا کہ ساری بلائیں رد ہو جاتی تھیں ۔ سفر پر نکلنے سے پہلے کی تمام دُعائیں پڑھتی تھیں اور اپنے اور دوسروں کے سفر کے لئے بھی امام رضا علیہ السلام کی ضمانت میں دے کر نذر کروائی تھیں ۔

امّی جب راولپنڈی سے واپس آئیں صبح کی نماز کا وقت تھا۔ میں نماز پڑھنے جا رہی تھی۔ میں دوڑ کر نیچے امّی کے استقبال کو پہنچی۔ اُس دن مجھے ایک بار پھر احساس ہوا تھا کہ ماں دُنیا میں کتنی بڑی نعمت ہے۔ امّی نے بڑی بے تابی سے مجھے سینے سے لپٹا لیا تھا۔۔۔۔ آج تک وہ انداز نگاہوں میں پھرتا ہے۔ یوں محسُوس ہوا تھا جیسے امّی نے برسوں کے بعد مجھے دیکھا تھا۔ مجھے بھی بڑا سکون ملا تھا۔ وہ لمس آج بھی محسوس کرتی ہوں۔

یوں تو ہر ماں اپنے بچے کو چاہتی ہے اور یہ جذبہ اُسے خُداوندِ عالم کی طرف سے ودیعت ہوتا ہے لیکن میری ماں کی چاہت عجیب طرح کی تھی۔ ہمیشہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے ہم لوگوں کو چاہنا ہی اُن کا مقصدِ حیات تھا۔ معلوم نہیں امّی نے کب یہ محسوس کر لیا کہ اُن کا مقصدِ حیات پُورا ہو چکا ہے۔ ابھی ہم سب کو اُن کی چاہت کی ضرورت تھی۔ ابھی دُنیا سے اُن کے جانے کا وقت نہیں تھا۔ میری ماں نے کچھ بھی تو نہ دیکھا۔ بڑی محنتوں سے باغ لگایا۔ اپنے خون پسینے سے اُس کی آب یاری کی۔ دُنیا کے بے رحم ہاتھوں سے بچائے رکھا۔ کاش! امّی اپنے راج دُلارے بیٹے کے سر پر سہرا دیکھ لیتیں۔ اس کے بعد دُنیا سے جاتیں۔

اپنی مصلحتوں کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ دوسرا کیا سمجھ سکتا ہے۔ کاش صرف وہ آجاتے اور امّی آخری وقت اپنے بیٹے کو دیکھ لیتیں۔ لیکن خُدا کو یہ بھی منظور نہ تھا دو اپریل کو امّی کا انتقال ہُوا۔ چودہ اپریل کو بھائی جان لندن سے ہزاروں میل کا سفر طے کر کے دل طول آئے۔ لیکن وہ آنکھیں کہاں تھیں جن کی روشنی بھائی جان کو دیکھ کر بڑھ جایا کرتی تھی۔ کہاں تھے وہ ہاتھ جو بے اختیار بلائیں لینے کو اُٹھتے تھے اور کہاں تھی وہ آغوش جس میں بھائی جان بالکل کسی چھوٹے سے بچے کی طرح سما جایا کرتے تھے۔

مجھے وہ دن اچھی طرح یاد ہے جب ۴، ۵ دسمبر میں بھائی جان نے آنے کے لئے لکھا تھا تو امی کتنی خوش ہوئی تھیں۔ لیکن فلکِ کج مدار کو امی کی یہ خوشی نہ بھائی اور بھائی جان نہ آسکے۔ یہاں تک کہ اپریل میں بالکل تیاری تھی کہ بھائی کی شادی ہوگی اور امی کی دیرینہ آرزو پوری ہوگی۔ بھائی جان کی دُلہن کو امی اپنے ہاتھوں سے گھر میں اُتاریں گی۔ لیکن یہ آرزو لے کر اُسی مہینے میں امی دُنیا سے رخصت ہوگئیں الٰہی یہ راز کیا تھا۔؟؟

گنگا نے ہندوستان سے جو تعزیتی پیغام بھیجا ہے۔ اُس پیغام نے اِس راز کو کچھ حد تک حل کر دیا ہے اور مجھے اِس اضطراب سے سکون مل گیا کہ امی بھائی جان کا سہرا نہ دیکھ سکیں۔

میری خالہ صاحبہ ساجدہ بیگم فرماتی ہیں۔

"رسولِ خدا سے ارشاد ہوتا ہے کہ اے رسولؐ ہم نے آپ کو فرزند ابراہیمؑ بھی عطا کیا اور حسینؑ جیسا نواسہ بھی عطا کیا۔ لیکن آپ صرف ایک کو پسند کرلیں۔ رسولِ خدا کے لئے ایک طرف حسینؑ تھے دوسری طرف اولاد کی خوشیاں تھیں، رسولِ خدا نے حسینؑ کو پسند کرلیا اور جناب ابراہیمؑ کا انتقال ہوگیا۔

بالکل اِسی طرح مرحومہ کے لئے حسینؑ کی خدمت کے صلے میں "اعلیٰ علیین" میں بلند رُتبے تھے اور دوسری طرف بیٹے کی خوشیاں! بیٹے کا سہرا..... اُنہوں نے دُنیا کی خوشیاں ٹھکرا دیں اور غمِ حسینؑ کو سینے سے لگا کر جنابِ سیدہؑ کے ساتھ جانا اپنا شرف سمجھا۔"

اُنھیں جب عظیم رُتبے مل گئے تو پھر کون اس بات سے انکار کرسکتا ہے کہ وہ بھائی جان کی شادی میں موجود نہیں تھیں۔ وہ بار بار ہر ایک کے خواب میں آکر بھائی جان

کی شادی کا اہتمام کروا رہی تھیں۔ امی کے چہلم کے بعد بھائی جان کی شادی ہوئی تاکہ ان کی روح کو یہ خوشی مل جائے۔ اگر زندگی میں نہیں ملی۔

آباد محمد صاحب نقوی زائر امروہوی نے کیا خوب فرمایا ہے۔

ماں کا ارمان بنا باپ کی حسرت سہرا
سایۂ رحمتِ حق خُلد کی نعمت سہرا
نونہالِ چمنِ محسنہ شاداب رہے
ہر طرح دہر میں ہو موجب راحت سہرا
تارِ الفت میں پروئی ہے ہر اک اُس کی کلی
بھائی بہنوں کی خوشی ماں کی وصیّت سہرا

امّی کی روح بھائی جان کی شادی میں شریک تھی۔ شید افتح پوری صاحب فرماتے ہیں ؎

درود آلِ محمدؐ پہ اہلِ بزم پڑھیں
کہ باغِ خلد سے سنتی ہیں اُن کی ماں سہرا

امّی نے ایک سہرا حضرت علیؑ اور جناب سیّدہؑ کی شادی سے متعلق لکھا تھا وہ ہر سال محفل عقد زہراؑ میں اُسے پڑھتی تھیں۔ اُس سہرے کے چند اشعار یہ ہیں

نفسِ نبیؐ کا سہرا، خیر النساءؑ کا سہرا
ہے دین کی جبیں پر فضلِ خدا کا سہرا
تابِ رُخِ سیادت، شیرِ خدا کا سہرا
تارِ شعاعِ عصمت خیر النساءؑ کا سہرا
خورشید گما تھا مشکل کُشاؑ کا سہرا
تفسیرِ والفجر کی تھا سیّدہؑ کا سہرا
گچھے کی جا قبا پر مہریں تھیں ہل اتیٰ کی
دستارِ مرتضیٰ پر تھا لا فتیٰ کا سہرا
ضو دے رہے تھے پیہم تطہیر کے ستارے
چادر تھی سیّدہؑ کی نورِ خدا کا سہرا
کیا سج رہا تھا سر پہ دامادِ مصطفیٰؐ کے
علم و عمل کا شملہ، صبر و رضا کا سہرا

عصمت تھی سیّدہ کا پیراہنِ عروسی — مہر و وفا کا مقنع، شرم و حیا کا سہرا
پھر وقت نے نہ دیکھی ایسی کوئی عروسی — پھر دہر پہ نہ اُبھرا اتنی ضیا کا سہرا
طلعت سے جس کی تاباں قلب و ضمیرِ مومن — تنویر سے مجلّٰی ہر با صفا کا سہرا

مشہور مرثیہ گو شاعر جناب شاہد نقوی صاحب نے امی کے اِس سہرے میں ماں کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے چند اشعار کا اضافہ کیا ہے۔ ع

آج اس کی اک کرن ہے اک باوفا کا سہرا — محسن کے سر پہ ڈھلا ہے تارِ ولا کا سہرا
پروردگار صدقہ زہراؑ و مرتضیٰؑ کا! — اُترے نہ اِس جبیں سے تیری عطا کا سہرا
اے روحِ پاکِ زہراؑ اک خادمہ تھی تیری — بکھرا نہ مرتے دم تک جس کی وفا کا سہرا
دولہا بنا ہوا ہے لختِ جگر اسی کا — ہے آج جس کے سر پہ ماں کی دعا کا سہرا

اک ماں کے دل کی حسرت شعروں میں ڈھل گئی ہے
پھولوں کے روپ میں ہے یہ مامتا کا سہرا

لوگوں نے اعتراضات بھی کئے کہ اس قدر جلدی شادی کیوں کی گئی۔ لیکن یہ بات تو گھر والے ہی بہتر سمجھ سکتے ہیں کہ اُن کی زندگی میں صرف یہی ایک تمنا تھی کہ "میں اپنے بیٹے کا سہرا دیکھ لوں۔" اور وہ جو حسرت لے کر گئیں اُسے پوری کرنا اُن کے بیٹے پر فرض تھا تاکہ اُن کی روح خوش ہو جائے۔ ط

زیست کے ہر امتحاں میں جب وہ ٹھہریں کامیاب — کس لئے بے چین صبح و مسا تھیں محسنہ
دل میں حسرت رہ گئی محسن کا سہرا دیکھتیں — اِس قدر جس کے لئے محوِ دعا تھیں محسنہ

امی نے اچھا ہوا دنیا کو ٹھکرا دیا اور عزت کی موت حاصل کر لی۔ اِس لئے کہ دُنیا چاہتی ہی نہیں کہ اچھے لوگ زندہ رہیں۔ جہاں امی کا اِس قدر احترام اور اتنی عزت و قدر تھی وہیں امی کے حاسد بھی بہت تھے۔ اُن سے بہت سے لوگ کینہ رکھتے تھے۔ اُن میں سے چند لوگ موت کے دن بھی اپنی کمینی حرکتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے نظر آئے۔ لیکن

امی کے وہ الفاظ آج بھی میرے کانوں میں گونجتے ہیں۔

"بی بی! دُنیا میں رہنے کے لئے بڑی جد و جہد کرنا پڑتا ہے۔ بڑا مشکل ہے زندگی گزارنا..... جینا سیکھو....."

اور آج جب وہ عظیم ہستی مجھ سے دور ہے۔ اتنی دور کہ جس فاصلہ کو پار کرنا اپنے بس میں نہیں ہے، محسوس کر رہی ہوں کہ واقعی زندگی کتنی کٹھن ہے۔ دُنیا میں رہنا کتنا مشکل ہے۔

امی کی میّت جب غسل کے لئے رضویہ امام باڑے میں پہنچی تو سیکڑوں خواتین تھیں۔ ہم لوگوں کو بالکل ہوش نہ تھا کہ کسی نے ایک خاتون (جو غسل خانے کی بھی منتظر ہیں) سے کہا کہ اگر کربلا کا کفن مل جائے تو بہتر ہے انہوں نے کہا کہ اب بہت دیر ہو چکی۔ آج کہیں سے انتظام نہیں ہو سکتا۔ لیکن مولاؑ جسے خود اپنے دربار میں بلا کر لے جا رہے ہوں یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ اپنے دربار کا لباس انھیں عطا نہ کرتے اور اچانک امی کی ایک چاہنے والی زہرا بائی (والدہ غلام حسین خواجہ کارڈ ٹیلرز) کربلا کا کفن اور تمام تبرکات اور چادرِ تطہیر لے کر آ گئیں۔ کاش! میرے پاس الفاظ ہوتے اور میں اُن کا شکریہ ادا کر سکتی۔

اس طرح کی اچھی اور بُری خواتین سے امی کا بھی پالا پڑا لیکن امی نے کمینگی کا مظاہرہ کرنے والوں کی باتوں کو ہمیشہ نظر انداز کیا۔ وہ کبھی بے ہودہ باتوں کو اہمیت نہیں دیتی تھیں۔ امی ایسے موقعوں پر صبر کا مظاہرہ کر کے بُرائی کرنے والوں کو شکست دے دیتی تھیں۔ میری امی کتنے عظیم دل کی مالک تھیں۔ کس قدر اعلیٰ ظرف تھیں...

امی میرا سلام ہو آپ کی عظمتوں پر...... ہم غمِ حسینؑ کے واسطے سے آپ کو اپنے آنسوؤں کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔

میری امی

پروین نقوی

کاش! میرے پاس وہ الفاظ ہوتے جن کے ذریعے سے میں اپنی امی کی صفات بیان کر سکتی۔ یوں تو ہر انسان میں کچھ نہ کچھ خوبیاں موجود ہوتی ہیں لیکن امی کی تمام زندگی کے متعلق سوچتی ہوں تو شروع سے آخر تک پوری زندگی سراپا خوبی نظر آتی ہے۔

خواتین اُن کے اخلاق کی تعریف کرتی ہیں اُن کے خلوص اور محبت کے تذکرے ہوتے ہیں۔ اُن کے علم اور اُن کے عظیم کردار پر باتیں ہوتی ہیں۔ اُن کی کم گوئی اور اُن کی شاعری کی تعریفیں ہوتی ہیں۔ قریبی لوگ جنہوں نے اُن کو قریب سے دیکھا ہے وہ اُن کی نماز اور عبادت گزاری کے تذکرے کرتے ہیں۔ لیکن ان تمام صفات میں امی کی زندگی کا خوب صورت پہلو اُن کی گھریلو زندگی میں وہ ہے جہاں بزرگوں کی خدمت گزاری، وفا شعاری اور سلیقہ مندی کے پہلو بہت نمایاں ہیں۔

ہمارے دادا مرحوم رسید دیانت حسین صاحب فردوس مکانی) مصطفےٰ آباد ضلع رائے بریلی میں رہتے تھے۔ ہمارے والد صاحب قبلہ کا قیام لکھنؤ میں گورنمنٹ سروس کی وجہ سے رہا۔ لیکن ہم لوگ گرمیوں کی چھٹیوں میں دادا صاحب مرحوم کے پاس جاتے تھے۔ ہماری دادی صاحبہ مرحومہ جن کو سب لوگ اماں کہتے تھے ہم لوگوں

کے قیام کے دوران طرح طرح کی خاطرداریاں کیا کرتی تھیں۔

امّاں کے صرف دو بیٹے ہیں۔ ایک ہمارے بڑے چچا۔ روزیر حسن صاحب) اور ایک ہمارے والد صاحب۔ امّاں کے کوئی بیٹی نہیں تھی اس لئے انہوں نے ہمیشہ اپنی بہوؤں کو بیٹی سمجھا۔ امّی بھی اُن سے 'ماں' کی طرح محبت کرتی تھیں ہمارے چچا جب پاکستان آگئے اور ہندوستان میں جاگیرداری اور زمینداری ختم ہوگئیں تو ہمارے دادا اور دادی دونوں لکھنؤ تشریف لے آئے۔ ۱۹۶۵ء سے پہلے دادا صاحب کراچی چلے گئے تو دادی صاحبہ کا قیام ہم لوگوں کے ساتھ لکھنؤ میں رہا۔ ہماری امّاں جب پیار بھری باتیں کرتیں اور پچھلے واقعات سُناتیں، ہم لوگ بڑی دلچسپی سے سُنتے۔ جب کربلائے معلّیٰ تشریف لے گئی تھیں وہاں کے حالات سنایا کرتی تھیں کہ " میں نے روضۂ امام حسینؑ پر تمہاری ماں کے لئے اولاد ہونے کی دُعا مانگی۔ اُسی دن شب میں ایک بزرگ کو خواب میں دیکھا جو کہتے ہیں تیرے یہاں پوتا ہوگا۔ اُس کا نام "طیّب و طاہر" رکھنا۔ جب ہندوستان واپس آئیں تو ہمارے سب سے بڑے بھائی محسن اختر نقوی کی ولادت ہوئی۔ ایک واقعہ اور سُنایا اسی سلسلے میں کہ

" میں امام حسینؑ کے روضے سے حضرت عباسؑ کے روضے کی طرف جا رہی تھی۔ راستے میں زمین پر مٹی میں چمکتا ہُوا ایک سُرخ موتی نظر آیا۔ میں نے جھک کر اُٹھایا، بہت بڑا موتی تھا۔ مٹی صاف کی، رنگ بالکل خون جیسا لال تھا۔ میں نے قافلے کے بزرگ کو دیا کہ اگر کسی کا ہو تو اعلان کر کے حوالے کر دیجئے۔ ہر ایک نے انکار کیا۔ بزرگ نے کہا۔ یہ مولا نے آپ کو دیا ہے۔ رات کو پھر خواب دیکھا کہ ایک نورانی چہرے کے بزرگ نے وہی موتی مجھے

دیا اور کہا کہ بچے کے گلے میں اسے پہنا دینا۔"
بھائی کی جب ولادت ہوئی اماں نے وہ موتی تعویز میں ڈال کر اُنھیں پہنا دیا۔ اور باری باری ہم سب لوگوں نے کربلا کا وہ موتی پہنا جسے امی نے بہت حفاظت کے ساتھ رکھا تھا۔

اماں کو دیکھ کر دل میں فوراً فرشتے کا تصور پیدا ہوتا تھا۔ وہ جس طرح مجلس میں گریہ کرتیں۔ اس درد سے رونے پر آنسو آجاتے تھے۔ میری امی نے تمام طور طریقے ہماری اماں کے اپنائے۔ اور جس طرح وہ نذر و نیاز میں اہتمام کرتی تھیں۔ امی بھی اُنھی تاریخوں پر بزرگوں کا فاتحہ دلواتی تھیں۔

ہماری اماں نے جناب سیدہؑ کی نذر میں کبھی کسی ایسی خاتون کو شرکت نہیں کرنے دی جس کے بزرگوں کی نسل میں کوئی خرابی نظر آئی ہو۔ میری امی نے بھی ہمیشہ اسی پر عمل کیا اور جناب سیدہؑ کی نیاز میں سوائے نجیب الطرفین سیدانی کے کسی کو نہیں آنے دیا۔ ہو سکتا ہے ہمارے خاندان کی اس رسم سے کسی کو اتفاق نہ ہو لیکن یہ ہمارے خاندان کی نسلی شرافت کا معیار ہے جو کہ انشاء اللہ ہمیشہ قائم رہے گا۔

ہماری اماں کے انتقال کو بارہ سال ہو گئے لیکن مجھے آج بھی ایک بات یاد ہے کہ جب اماں کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی اور اُن کے بچنے کی کوئی اُمید نہ تھی تو امی نے رات اور دن ایک کر دیا۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا، امی روزے بھی رکھتی تھیں، گھر کے تمام کام بھی کرتی تھیں اور اماں کی خدمت میں بھی مصروف رہتی تھیں۔

انتقال سے دو روز قبل امی نے اماں سے اجازت لی کہ آپ اگر کہیں تو سورۂ یٰسین اور ائمہ طاہرینؑ کے نام اور دُعائیں اور کلمہ پڑھوا دوں۔ ہماری اماں نے

نے بہت محبت سے کہا۔ ''ہاں بیٹی خدا تم کو سلامت رکھے یہ تو میری دلی تمنا ہے
جاڑوں کے دن تھے۔ صحن میں دھوپ کھانے کے لئے اماں کو لٹا دیا گیا تھا۔ ہم
لوگ بھی وہیں بیٹھے تھے۔ امی نے تحفۃ العوام سے تمام چیزیں اماں کو پڑھوائیں
امی پڑھتی جاتی تھیں اور اماں دہراتی جاتی تھیں۔ اماں کی آنکھیں بند تھیں
امی نے پوری رات جاگ کر گزاری اور اماں کے سرہانے بیٹھی رہی تھیں۔ دوسرے
دن ۳ بجے سہ پہر کے قریب اماں کا انتقال ہو گیا۔ یہ واقعہ ۷ رمضان ۱۹۶۳ء
بروز اتوار کا ہے۔ گھر میں سب کا روزہ تھا۔ امی کا بھی روزہ تھا۔ اس کے باوجود
امی اماں کے جنازے کے ساتھ ساتھ غسل خانے تشریف لے گئی تھیں۔ حالانکہ
یہ بات لکھنؤ کی روایات کے خلاف تھی۔ لیکن امی بار بار کہتی تھیں کہ میرا دل نہیں
چاہتا کہ غسالہ غسل دے اور میں انھیں اکیلا چھوڑ دوں۔ غسالہ یہی سمجھ رہی
تھیں کہ یہ اماں کی بیٹی ہیں جب انھیں معلوم ہوا کہ بہو ہیں تو بہت حیران ہوئیں
اور بولیں۔ ''بیگم صاحب زندگی میں پہلی بار کسی بہو کو ساس کے جنازے پر
اس طرح روتے ہوئے دیکھا ہے۔

امی نے زندگی میں کبھی اماں کو بیٹی کی کمی محسوس نہ ہونے دی اور اُن کے
مرنے کے بعد بھی اِس کام کو انجام دیا۔ لوگ کہتے ہیں بیٹی نہ ہو تو ماں کا جنازہ
سُونا رہ جاتا ہے۔ لیکن میری امی اپنے ساس کے جنازے پر اس طرح تڑپ تڑپ
کر روئیں جیسے واقعی کوئی اپنی ماں کو روتا ہے۔ اماں کے ایصالِ ثواب کی
تمام مجلسیں امی نے خود پڑھیں۔ خاص طور پر چالیسویں کی مجلس بہت بہترین
پڑھی تھی۔

۱۹۶۵ء میں ہمارے دادا کا انتقال پاکستان کراچی میں ہوا۔ اُس وقت
ہم لوگوں کا قیام لکھنؤ میں تھا۔ ۱۹۶۵ء میں جنگ کی وجہ سے اطلاع دیر میں

ملی تو دادا کے ایصالِ ثواب کی مجالس منعقد کی گئیں ۔ زنانی مجلس امی نے پڑھی تھی اور مجلس سے پہلے اپنا کہا ہوا قطعۂ تاریخ پڑھا۔ نظم پڑھتے وقت امی پر اتنی رقت طاری تھی کہ الفاظ ادا نہ ہوتے تھے اور میں سوچ رہی تھی کہ امی کو بَبّا (دادا) سے کتنی محبت ہے جیسے ایک بیٹی کو اپنے باپ سے ہوتی ہے۔

میں نے ہمیشہ اپنے گھر میں یہی دیکھا کہ امی نے اپنے خسر اور خوشدامن کو اپنے باپ اور ماں کی طرح سمجھا۔ اماں اور بَبّا کو امی سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ یہ ایک ایسی مثال ہے جس کی روشنی میں لڑکیاں اپنی گھریلو زندگی کو پُرسکون اور کامیاب بنا سکتی ہیں۔ بالکل اسی طرح ہمارے والد صاحب جن کو ہم لوگ عمّو کہتے ہیں امی نے ہمیشہ اُن کا خیال رکھا اور ہمارے عمّو بھی امی کا اسی طرح خیال رکھتے تھے۔

امی کی دوسری خاص صفت یہ تھی کہ وہ بہت صابرہ تھیں۔ برداشت کی قوت اتنی تھی کہ میں نے آج تک اپنے خاندان میں کسی کو نہ دیکھا۔ امی کو صرف دو باتوں پر غصہ آتا تھا۔ ایک وہ اپنے بزرگوں پر اعتراض نہیں سُن سکتی تھیں۔ دوسرے وہ اپنی اولاد پر کسی قسم کی نکتہ چینی نہیں پسند کرتی تھیں۔ کہتی تھیں مجھے اپنے بچوں پر اعتماد ہے اور میں نے بچوں کو ایسی تربیت ہی نہیں دی کہ کوئی اعتراض کر سکے۔ اور بزرگوں کے بارے میں اگر کسی موقع پر کسی طرح کی بات آتی تو وہ کہتی تھیں ہمارے بزرگ ہماری آن بان ہیں اور انہوں نے اپنے سسرال کی طرف داری اس طرح ہمیشہ کی جس طرح بیٹی اپنے باپ کے گھر کی طرف داری کرتی ہے۔ اُن کی ہمیشہ کوشش یہی ہوتی تھی کہ کسی سے تعلقات خراب نہ ہونے پائیں امی کی زندگی میں بہت سے ایسے سانحے ہوئے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کتنے غم سہار کے بھی وہ کس قدر تندرست دل تھیں۔ بچپن میں ماں کا انتقال ہوا۔ ایک

جوان بہن ۲۸ سال کی عمر میں چھوٹے چھوٹے بچوں کو چھوڑ کر جنت کو سدھاریں اور وہ بہن امی کو بہت پیاری تھیں اِس لئے کہ وہ بھی نوحہ گو تھیں۔ مجلسیں اور تحت اللفظ مرثیہ پڑھتی تھیں۔ ۱۹۷۱ء میں شفیق باپ کا سر سے سایہ اُٹھ گیا۔ میری امی نے کتنا صبر کیا۔ یہی سوچ کر مجھے بھی صبر آگیا ہے ورنہ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میری امی شفیق امی مجھ سے ہمیشہ کے لئے دور چلی جائیں گی۔ یوں تو امام حسینؑ کے غم سے بڑھ کر دُنیا میں کوئی غم نہیں۔ درد مندوں کے دلوں کا سہارا یہی غم ہے۔ اور میں یہ سوچتی ہوں کہ جب ہماری نانی صاحبہ کا انتقال ہوا تھا تو امی کی عمر صرف تیرہ چودہ سال تھی لیکن ہم لوگوں کے ساتھ اللہ نے یہ کرم کیا کہ امی نے اپنے ہاتھوں سے سب کو پرورش کیا۔ پڑھایا لکھایا گھریلو کام سکھاتے۔ سِلنا جلنا سکھایا۔ مذہبی باتیں بتائیں۔ قرآن اور دینیات پڑھایا بی اے اور ایم اے تک تعلیم دلوائی۔ ہماری ہر خوشی بڑی سے بڑی پوری کی۔ ہماری خوشی پر خوش ہوئیں اور ہم لوگوں کو اِس قابل بنا دیا کہ ہم لوگ اُن کے بعد اُن کے ایصالِ ثواب کے لئے ہر نیک عمل کی تکمیل کر سکیں۔ اب اللہ کی یہی مرضی تھی کہ وہ ہم سے دور چلی جائیں اُس کی مرضی میں کسی کا کیا دخل۔ اللہ اپنے نیک بندوں کو جلدی ہی اپنے پاس بُلا لیتا ہے۔

امی کی عبادت کا یہ عالم تھا کہ صبح کی نماز کے بعد اتنی دیر تک دُعائیں پڑھتی تھیں کہ آفتاب طلوع ہو جاتا تھا۔ امام حسینؑ کی زیارت بلاناغہ پڑھتی تھیں۔ علماء کا قول ہے اور خود بھی کہتی تھیں کہ زیارت روز پڑھنے سے موت بڑی آسانی سے آتی ہے اور اُن کی موت کا منظر دیکھ کر اِس قول کی تصدیق ہوتی ہے امی نمازِ شب کی بھی عادی تھیں۔ امی اپنی واجب نمازوں کے بعد کچھ نمازیں اپنے اعزا اور مومنات کے ایصالِ ثواب کے لئے پڑھتی تھیں۔ کبھی کبھی قرآن پڑھ کر مرحومین

کو بخشتی تھیں اور خاص طور پر اپنی والدہ، اپنے دادا، اپنی ساس اور خسر کے لئے اپنی مرحومہ بہن اور والد کے لئے پابندی سے قرآن شریف کی تلاوت کرتیں۔ اُن کی دُعاؤں کی کتابوں میں وہ پرچہ رکھا ہُوا دیکھا جس میں انہوں نے اُن تمام مرحوم عزیزوں کے نام لکھ کر رکھے تھے جن کے لئے نمازیں اور دُعائیں پڑھتی تھیں۔

اگر کسی کے انتقال کی خبر سنتی تھیں اپنے یا غیر کی تو فوراً مرحوم کے باپ کا نام معلوم کر کے ہدیہ میت کی نماز پڑھتی تھیں۔

اخلاق کا یہ عالم تھا کہ اگر بروقت کسی نے مجلس پڑھنے کے لئے کہا تو کبھی انکار نہ کیا۔ امی اکثر ایک دن میں چھ یا سات مجلسیں پڑھتی تھیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے چالیس سال مجلسیں پڑھیں تو تعدادِ مجالس کیا ہو گی۔ یہ بات اس طرح بھی سمجھی جا سکتی ہے کہ ایک اندازے کے مطابق علامہ رشید ترابی اعلی اللہ مقامہ نے اپنی زندگی میں دس ہزار مجلسیں پڑھی ہیں جبکہ مردانی مجلسیں صرف شام سے رات تک ہوتی ہیں۔ لیکن زنانی مجالس صبح سے شام اور شام سے رات تک ہوتی ہیں تو چالیس سال میں امی نے کتنی مجلسیں پڑھی ہوں گی صرف نسیم امروہوی صاحب کا ایک شعر جو اُن کے لئے کہہ گیا ہے کافی ہے

جلو میں اُس کے مجالس کئی ہزار چلیں!
وہ اِس جہاں سے گئی جب کہ اُس جہاں کی طرف

ایک مجلس کے بعد دوسری مجلس کا وقت فوراً آجاتا تھا۔ بعض لوگ جو وقت دیتے تھے اُس میں تاخیر بھی ہو جاتی تھی اور دوسرے کا وقت کم رہ جاتا تھا۔ لیکن امی کبھی صاحبِ خانہ سے ناگواری کا اظہار نہیں کرتی تھیں اور دوسری جگہ جا کر معذرت کر لیا کرتی تھیں۔ اس طرح امی کو بڑی زحمتوں کا سامنا ہوتا تھا۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا انتہائی تکلیف دہ ہوتا تھا۔ بعض

مجلس پڑھوانے کے لئے بُلا کر لے جاتے لیکن واپسی کا انتظام نہ کرتے اور امی کو خود سواری کر کے دوسری جگہ پہنچنے میں دقّت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ مجھے یہ بات خون کی بہت ناگوار گزرتی تھی۔ امی مجھے بالکل بولنے نہیں دیتی تھیں۔ جب میں کچھ کہتی تو امی جواب دیتی تھیں کہ اس کا اجر مجھ کو جناب سیّدہؑ دیں گی۔ لیکن میں نے اس بات کا ذکر اپنے بڑے بھائی (محسن اختر) سے کیا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ یہ تمہارا فرض ہے کہ جب کوئی مجلس کا وعدہ لینے کے لئے آئے تو تم صاف طور پر یہ بات کہہ دو کہ لے جانے اور واپس پہنچانے کا انتظام کرنا پڑے گا۔ اس بات کو کئی دن گزر گئے لیکن میرا کچھ بس نہ چلا۔ میں کچھ نہ کر سکی اور پچھلے سال جو امی کا آخری محرّم تھا اسی طرح مجلسیں پڑھتی رہیں اور تکلیفیں اُٹھائیں۔

ایک ایک دن میں چھ اور سات مجلسیں پڑھیں اور کبھی مجلس کی پڑھوائی لینا پسند نہ کیا۔ میں چونکہ صبح یونیورسٹی چلی جاتی تھی اور شام کو واپس آتی تھی۔ اس لئے امی سے ملاقات اُس وقت ہوتی جب وہ رات کی تمام مجالس ختم کر کے گھر واپس آتی تھیں اور وہ اُن کے آرام کا وقت ہوتا تھا۔ اس طرح اُنھوں نے یکم محرم سے آٹھ ربیع الاوّل کی رات تک سوا دو مہینے گزار دیئے۔

آٹھ ربیع الاوّل کو ہر سال گھر ہی گھر میں ماتم ہو جاتا تھا۔ لیکن اس دفعہ امی نے باقاعدہ مجلس کا انتظام کیا اور ہر ایک سے یہ جملہ کہتی تھیں کہ آٹھ ربیع الاوّل کو ہمارے یہاں کی آخری مجلس ہے۔ آپ لوگ ضرور تشریف لائے گا۔ صبح کو مجھ سے کہا کہ مجلس کے وقت تک یونیورسٹی سے واپس آجانا۔ آج آخری مجلس ہے، لیکن میری بدقسمتی کہ تین چیزوں کا لگاتار ٹیسٹ ہونے کی وجہ سے میں وقت پر نہ پہنچ سکی۔ جب میں واپس آئی تو امی کی ایک ملنے والی (میر عارف لکھنوی

کی بیٹی) مجھے راستے میں ملیں ۔ میں نے اُنھیں سلام کیا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر میرے منہ پر دو مرتبہ ہاتھ پھیرا۔ میں کچھ نہ سمجھی، البتہ دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ میں نے اُن سے گھر چلنے کے لئے کہا تو انہوں نے فرمایا کہ میں ابھی تمہارے یہاں سے واپس آرہی ہوں بیٹی تم گھر جاؤ۔

جب میں دروازے پر پہنچی تو گاڑیاں کھڑی تھیں اور میرے منجھلے بھیا نے بڑھ کر میرے ہاتھ سے کتابیں لے لیں۔ آج تک ایسا کبھی نہ ہُوا تھا۔ میں نے پوچھا۔ کیا بات ہے۔ اُنھوں نے کہا اوپر جاؤ۔ میری سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ اوپر پہنچی تو صفریہ نظر آیا کہ عزا خانے کے سامنے میری امّی سفید چادر منھ سے اوڑھے آرام کر رہی تھیں۔ اور میری بہنیں بار بار امّی امّی کی صدائیں دے رہی تھیں مجلس کی تمام خواتین موجود تھیں۔ بڑا مجمع تھا۔ امّی کے قریب پہنچی۔ کسی نے کچھ نہ کہا۔ سب خاموش تھے۔ میں نے امّی کا بازو ہلایا۔ امّی کو پکارا۔ لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ میرے کانوں میں بھابی کی آواز آئی۔ " بی بی تمہاری امّی شہید ہوگئیں۔ "

جنازہ اُٹھنے کی تیاری ہوئی..... بھیا امّی کے قدموں سے لپٹے ہوئے تھے۔ لوگ مجھے گلے لگا کر کہہ رہے تھے۔ بی بی اب تمہاری امّی واپس نہ آئیں گی۔ ماں کو رُخصت کرو۔ میں صفریہ سوچ رہی تھی۔ " یہ کیوں ہُوا اور کیسے ہُوا " یہی دو باتیں اب تک ذہن میں گونجتی ہیں کہ " یہ کیا ہُوا اور کیسے ہُوا " ابھی تو امّی کو چاند سی دُلہن بیاہ کر لانا تھی۔ لیکن امّی کو فردوس میں قُربِ فاطمہ زہرا زیادہ عزیز تھا اور جب اُن کو وہ ملتا نظر آیا تو دُنیا اُن کی نظر میں ہیچ ہوگئی۔ اللہ کی مرضی پر اُنھوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ میرے ذہن میں ایک اور سوال اُٹھا کہ موت کی سختی انہوں نے کس طرح

برداشت کی ہوگی تو اِس کا جواب فوراً ہی مل گیا۔ امیؔ نے خود ایک مجلس میں بیان فرمایا تھا کہ فرشِ عزائے حسینؑ پر کسی کو موت آجائے تو وہاں پنجتنؑ موجود ہوتے ہیں۔ اِس لئے موت اتنی آسان ہو جاتی ہے جیسے پھول سے خوشبو نکل جائے۔

امیؔ کے انتقال کے بعد اُن کی قبر پر گئی تو ذہن میں سوال اُبھرا۔ قبر میں کیا ہوا ہوگا۔؟ ویسے یہاں کا ماحول تو بڑا پُرسکون ہے۔ بڑی رونق ہے۔ جگہ بڑی روشن ہے۔ خیال آیا کہ قریب ہی تو جنابِ سیدہؑ کا روضہ ہے۔ جن کی خدمت میں امیؔ گئی ہیں۔

ہاں وہ ہم سب کو تڑپتا چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے چلی گئیں۔ لیکن چہاردہ معصومینؑ کی زیارت تو انھیں نصیب ہو گئی۔ اُن کی زندگی کا مقصد ہی یہی تھا۔ اِس لئے وہ اپنے نوحوں میں یہی کہتی تھیں ؎

اے محمدؐ یقین ہے دل کو، کہ بعدِ مرگ
مولائے دو جہاں تری تربت میں آئیں گے

یادیں

شاہینہ رضوی

یادیں جو منزل بہ منزل، قدم بہ قدم ہمارے ساتھ چلتی ہیں۔ یادیں ہماری زندگی کے وہ سچے موتی ہیں جو کبھی بکھر جاتے ہیں اور کبھی لڑی میں پروئے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یادیں جن سے ہمارا ماضی زندہ رہتا ہے۔

یادوں کا چھتنار درخت ایک ایسا درخت ہے جس کا سایہ زیست کی تپتی راہوں میں سائے کا کام دیتا ہے۔

یادیں جو زندگی کا انمول سرمایہ ہیں۔ یادیں آبِ حیات بھی اور زہر کا تلخ جام بھی، اور یادیں اگر کسی عظیم اور شفیق ہستی کے سلسلے میں ہوں تو آنسو ہیں، صرف آنسو......

اس وقت میں نے اپنی خالہ صاحبہ مرحومہ کی یادیں قلم اُٹھایا ہے۔ جن کو میں امی جان کہا کرتی تھی۔ میں نے کبھی اُن کو خالہ سمجھا ہی نہیں۔ ماں تو ہم تین بہن بھائیوں کو چھوڑ کر آج سے ۳۴ سال پہلے اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملی تھیں۔ میں اپنے ماں باپ مہدیہ بیگم مرحومہ اور قمر رضا نقوی مرحوم کی سب سے بڑی اولاد ہوں۔ مجھ سے چھوٹے دو بھائی عباس رضا (عنبر) اور قاسم رضا (کشتی) بہت کمسن تھے جب

قدرت نے ہم لوگوں کا امتحان لیا اور ماں باپ کی محبت سے ہم لوگ محروم ہو گئے۔ ہمارے نانا سید ظفر عباس مرحوم نے سب کو اپنے پاس بُلا لیا۔ کچھ دن کے بعد امی جان کے سب سے بڑے بیٹے بھائی جان محسن اختر نقوی نے ہم لوگوں کو سیالکوٹ سے کراچی بُلا لیا۔

امی جان نے ہم لوگوں کے لئے انڈیا چھوڑا اور کراچی آ گئیں۔ امی جان کو ہی میں نے ماں سمجھا اور انہوں نے کبھی ماں کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ میں کیسے اُن کے احسانات کو بھلا دوں جو اُنھوں نے مجھ پر کئے۔ مجھے میٹرک تک تعلیم دلوائی اور کبھی میری دل آزاری نہیں کی۔ میری خاطر اپنی لڑکیوں کو ڈانٹ دیتی تھیں۔ جہاں کہیں جاتی تھیں مجھے ساتھ لے کر جاتی تھیں۔ کوئی پوچھتا یہ کون ہے۔ کسی غیر سے کبھی یہ نہیں کہتی تھیں کہ میری بھانجی ہے۔ ہمیشہ بیٹی کہتی تھیں۔

میں جب راولپنڈی چلی گئی تو خیریت معلوم کرنے کے لئے بے چین رہتی تھیں ڈاکٹر سبط حسن صاحب رضوی کے برادرِ عزیز یاور حسین رضوی سے میری شادی طے ہوئی اور رجب ۱۹۷۴ء میں امی جان اپنی گھریلو مصروفیات ترک کر کے میری شادی میں شرکت کرنے کے لئے پہنچیں۔ یہ اُن کی زندگی کا آخری سفر تھا۔ میری رخصتی کے وقت میری والدہ کو یاد کر کے بہت روئیں۔

مجھے تو اُنھوں نے اپنے زیرِ سایہ رخصت کر دیا مگر اپنے بیٹے کا سہرا نہ دیکھ سکیں نہ کسی بیٹی کو رخصت کیا۔ سب کو بڑے ارمان سے پڑھا لکھا کر پروان چڑھایا مگر جب بہار دیکھنے کے دن آئے تو دل میں سینکڑوں ارمان لئے اِس دارِ فانی سے کوچ کر گئیں۔

شادی کے کچھ عرصے بعد میں کراچی میں آ گئی۔ تو امی جان بہت خوش ہوئیں دو ماہ کے عرصے میں چار پانچ بار میری خیریت پوچھنے کے لئے آئیں۔

میں نے اپنے گھر مجلس کی تو صبح اُن کو فون کیا کہ آج مجلس ہے کیا آپ پڑھ سکتی ہیں۔ اُس دن اُن کو کتنی مجلسیں پڑھنا تھیں مگر پھر بھی میری خوشی کے لیے وقت نکال کر مجلس کے وقت پہنچ گئیں۔ غرض کہ انہوں نے میری ہر خوشی پوری کی اور مجھے ماں کی کمی محسوس نہ ہوئی۔

جس دن امی جان کا انتقال ہوا۔ ۸ ربیع الاول کو میں اُن کے گھر پہنچی۔ دیکھتے ہی کہنے لگیں۔

"بہت اچھا کیا آ گئیں۔ ابھی تمہارا ہی ذکر ہو رہا تھا کہ شاہینہ کو مجلس کی خبر نہ ہو سکی۔"

میں جب گئی وہ عزاخانے کا فرش بچھا رہی تھیں۔ میں نے حیرانی سے پوچھا کہ کیا آج پھر مجلس ہے؟ کیونکہ اس سے پہلے انہوں نے کئی مجلسیں کی تھیں اور سالانہ مجلس بھی ہو چکی تھی۔ کہنے لگیں۔ "کہاں جی بھر کے مولا کی مدحت کر پاتے اگلے برس جو جئے گا وہ مجلس کرے گا۔"

یہ گفتگو اُن کے انتقال سے پانچ گھنٹے قبل ہوئی۔ فرش ٹھیک کرنے کے بعد انہوں نے الماری کھول کر بھتیا (ضمیر اختر) کے کپڑے دکھائے جو انہوں نے ۹ ربیع الاول کو پہننے کے لئے رکھے تھے۔ کہنے لگیں۔ "نویں بہت دھوم سے مناتے ہیں۔" امی جان نے خود بھی نویں کی تیاری کی تھی۔ لیکن حضرت حجت ؑ کا جشنِ تاج پوشی انہوں نے دربارِ سیّدہ ؑ میں جا کر منایا اور ہم لوگ صرف یہ دیکھ سکے کہ وہ چیزیں اُن کے سوئم کے فاتحہ میں دی گئیں۔

مجھ سے باتیں کر کے کام میں لگ گئیں اور مجھے اور شہناز کو آٹھویں کے جلوس میں زیارت کے لئے بھیج دیا اور تاکید کی کہ خواتین کو لے کر مجلس میں آؤ۔ جب ہم لوگ واپس آئے تو فرشِ عزا پر بیٹھی تھیں۔ کچھ دیر بعد مجلس شروع ہوئی

سوز و سلام کے درمیان اُٹھیں۔ مرثیہ کی کتاب لائیں۔ امام باڑے کا پردہ ہٹایا اور پھر آکر چوکھٹ پر بیٹھ گئیں۔ امام حسن عسکری علیہ السلام کے حال کا مرثیہ ہمیں دیا کہ یہ پڑھو۔ اور پُرسے کا نوحہ نکال کر دیا جو اُن کا خود تصنیف کردہ تھا۔ مرثیہ شروع کرنے سے پہلے فاتحہ کے لئے سب کے ہاتھ اُٹھے اور سورہ الحمد ختم ہوتے ہوتے امی جان موت کی آغوش میں جا سوئیں۔ میرا خیال ہے جناب سیدہؑ اور حضرت علی علیہ السلام اپنے لال کا پُرسہ لینے کے لئے اُن کو عرش پر لے گئے۔

اُن کی موت میرے سامنے ہوئی مگر مجھے یقین نہیں آتا کہ وہ اس دُنیا میں نہیں ہیں۔ خاص طور سے جب اپنے گھر میں ہوتی ہوں تو یہی سمجھتی ہوں کہ وہ زندہ ہیں۔ لیکن جب اُن کے گھر جاتی ہوں تو بے اختیار صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے۔

امی جان کی موت ایسی ناوقت ہوئی کہ بس سوائے آنسو بہانے کے اور ہمارے پاس کیا ہے۔ مرضئ معبود کے سامنے سرِ تسلیم خم ہے۔ لیکن ابھی ہم سب کو اُن کی شفقت کی ضرورت تھی۔ اُن کی موت ہم سب کے لئے عظیم المیہ ہے۔ اور باعثِ فخر بھی۔ اس لئے کہ ایسی موت مانگنے سے بھی نہیں ملتی۔ کسی کو نصیب ہی نہیں جیسی موت اُنھیں نصیب ہوئی۔

خدا اُن کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے (آمین) اور ہم سب کو صبرِ جمیل عطا کرے۔ (آمین) اُن کی موت نے معصومؑ کی حدیث کی تشریح اس طرح کی ہے۔

دل عشقِ یداللہ سے بہلاتے ہیں
مظلوم ہیں کب ظلم سے گھبراتے ہیں
جب مرتے ہو تم، مرتے ہو قاتل کی موت
ہم مر کے شہادت کا شرف پاتے ہیں

یاد آیا دامنِ مادر کا چین

نسرین نقوی

میری امی خاندان میں اِس قدر ہردلعزیز تھیں کہ اب اُن کے بعد کوئی ایسا نظر نہیں آتا جسے یہ فخر حاصل ہو۔ بالکل اسی طرح وہ مومنات میں بھی ہردلعزیز تھیں۔ اُن کی ہردلعزیزی کی سب سے پہلی اور سب سے بڑی وجہ اُن کی "ذاکری" تھی۔ دوسری وجہ اُن کی پُرخلوص شخصیت تھی۔ تیسری وجہ اُن کی زندہ دلی تھی۔

امی اکثر تذکرہ کرتی تھیں کہ میرا نام محسنہ بیگم میرے دادا سید مظہر حسین صاحب مرحوم نے رکھا تھا۔ اُن کا دوسرا نام اُم حبیبہ تھا۔ لیکن اُن کے بزرگ انہیں "محسنہ" کہتے تھے۔ بلند ناموں کا اثر شخصیت پہ ضرور پڑتا ہے۔ میری امی کا نام بھی "محسنہ" تھا اور وہ ہم لوگوں پر احسانِ عظیم کر کے گئیں۔ اُن کا یہ احسان کیا کم ہے کہ ہم تمام بھائی بہنوں کو دینی تعلیم میں اِس قدر ماہر کر دیا کہ ہم سب کسی منزل پر کسی کے محتاج نہیں کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو پوچھیں۔

ہم سب بھائی بہنوں کو امی نے بہت بچپن سے نماز سکھائی تھی۔ ویسے تو ہر ماں اپنے بچوں کی عادت واطوار سے واقف ہوتی ہے۔ لیکن ہماری امی بہت اچھی طرح ہم لوگوں کی نفسیات سمجھتی تھیں، ہم نے جب بھی کوئی بات امی سے پوچھی تو انہوں نے ہمیں مایوس نہیں کیا اور ہر بات کو بہت خوب صورتی سے

سے بیان کیا اور سمجھایا۔ بھارت میں ہندی زبان لازمی تھی۔ اس لئے میری امی نے ہم لوگوں کو ہندی زبان پڑھانے کے لئے اس زبان میں دلچسپی لی اور ہم لوگوں کو پڑھایا۔ ہمارے اسکول کے تمام مضامین وہ ہمیں سمجھاتی تھیں۔ اور ان تمام تعلیمات میں نماز مقدم تھی۔

مجھے یاد ہے کہ جب میں بہت چھوٹی تھی اس وقت صرف دو رکعت نماز مجھے تمام اوقات میں یاد کرواتی تھیں۔ مجھے مزید شوق دلانے کے لئے کہتی تھیں کہ "آج جو پوری نماز پڑھے گا اُسی کی پسند کی چیز پکے گی۔"

صبح کو بیدار ہونا بڑا دقت طلب مسئلہ ہے لیکن ہم لوگوں کو کبھی کسی نے جگایا نہیں بلکہ امی کی دعاؤں اور وظیفوں کی آواز سے آنکھ کھلتی تھی اور ہم لوگ اُٹھ جاتے تھے۔

امی صبح کی نماز کے لئے پچھلے پہر سے اُٹھتی تھیں۔ حالانکہ رات کی نماز اور دعائیں کافی رات تک ختم نہیں ہوتی تھیں۔ خاص طور سے امی کی شب جمعہ ہمارے رشتے داروں میں بہت مشہور تھی۔ سب کو معلوم تھا کہ شب جمعہ میں امی کی نماز اور وظائف بہت طویل ہوتے ہیں اس لئے عموماً شب جمعہ میں لوگ ہمارے یہاں آنے میں احتیاط کرتے تھے کہ اُن کی نماز میں مخل نہ ہوں۔

امی نے یہاں بھی مجلس پڑھی۔ میں اُن کے ساتھ جاتی تھی۔ انتقال سے ایک ہفتہ پہلے انہوں نے بہت زیادہ پابندی عائد کردی تھی کہ سب ہمارے ساتھ مجلس چلیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی زندگی کی آخری مجلسیں میں نے سنیں اور اب غور کرتی ہوں تو یاد آتا ہے کہ زیادہ تر انہوں نے مصائب پڑھے۔ نرسری ہاؤسنگ سوسائٹی کے عزاخانے میں انہوں نے سوا گھنٹے کی تقریر صرف جناب عباسؑ اور علم کے موضوع پر کی تھی۔ انتقال سے دو روز قبل ۶ ربیع الاوّل کو ایک

مجلس پڑھنے گئیں ۔ میں بھی ساتھ تھی ۔ عموماً میں منبر کے پاس ہی بیٹھتی تھی۔ اُس دن امی نے قافلہ اہلِ حرم کی مدینہ میں واپسی تفصیل سے بیان کی۔ حضرت اُمّ البنینؑ اور حضرت عباسؑ کے چھوٹے صاحبزادے کا بشیر سے یہ پوچھنا۔ "کیا میرا بابا واپس نہیں آیا۔؟" یہ روایت مجھے بہت پسند ہے۔ کیونکہ اس روایت میں رقت بہت ہوتی ہے اور آنسو نہیں تھمتے۔ اُس دن میرے آنسو نہیں رُک رہے تھے۔ جب مجلس ختم ہوگئی تو ایک خاتون نے امی سے آکر پوچھا کہ "یہ آپ کی صاحبزادی ہیں۔" امی نے جواب دیا۔ "جی ہاں! خاتون نے پوچھا" یہ بھی حدیث پڑھتی ہیں تو امی نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

"نہیں ابھی صرف مجلس میں روتی ہیں۔"

خاندان کی تمام مجلسیں امی ہی پڑھتی تھیں۔ لکھنؤ اور کراچی کے ہر عزا خانے میں اور ہر محلے میں انھوں نے مجلس پڑھی ہے۔ اُن کی مجلسیں اِس قدر اثر انگیز ہوتی تھیں کہ مجلسیں پڑھوانے والے پھر ہمیشہ کے لئے اُن کے گرویدہ ہو جاتے تھے اور ہر وقت اُن کی خدمت کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ مل کر وہ خواتین پھر انہیں اپنا رشتہ دار تصور کرنے لگتی تھیں۔ امی بھی انہیں وہی محبت اور خلوص دیتی تھیں جو ایک رشتے دار ہی دے سکتا ہے۔

امی خود ذاکرہ تھیں لیکن ذاکروں کا احترام اور اُن سے محبت کا یہ عالم تھا کہ نوحہ خوان خواتین سے بہت محبت کرتی تھیں۔ مجاہدؔ لکھنوی کی ہمشیرہ حسین فاطمہ صاحبہ کی نوحہ خوانی اُنہیں لکھنؤ سے ہی بہت پسند تھی۔ نواب نخفن صاحب کی بیٹی ریاست بیگم کی نوحہ خوانی بھی اُنہیں بہت پسند تھی۔ قتیلؔ لکھنوی کی بیٹی جمیلہ بیگم کے نوحے پڑھنے کا انداز بہت پسند تھا اور خاص کر جب وہ نوحہ پڑھتی تھیں ۔

زلزلوں میں دُنیا تھی آسماں لرزتا تھا
ابنِ ساقیٔ کوثر تین دن کا پیاسا تھا

تو امی اُنہیں گلے سے لگا لیتی تھیں۔ امی کی خالہ زاد بہن ساجدہ بیگم (حضور) جن کو ہم لوگ گنگا کہتے ہیں۔ خدا نے اُنھیں بہت اچھی آواز عطا کی ہے۔ امی ان کی نوحہ خوانی کی عاشق تھیں۔

لکھنؤ کے ذاکرین میں امی کو مولانا مظفر حسین صاحب طاہر جرولی بہت پسند تھے۔ طاہر بھائی ہماری دادی کی برسی کی مجلس کے علاوہ ۶ ربیع الاول کی سالانہ مجلس بھی پڑھتے تھے۔ وہ جب بھی کربلا تشریف لے گئے ہیں۔ امی انھیں اور اُن کی اہلیہ فرحت بیگم صاحبہ کے امام ضامن باندھنے ضرور تشریف لے جاتی تھیں۔ جناب نصیر الملت مرحوم اور جناب سعید الملت مرحوم کی بیگم امی سے بہت محبت کرتی تھیں۔ ڈاکٹر رفیق حسین صاحب کی چھوٹی بیگم قیصر بیگم بھی امی سے بہت محبت کرتی تھیں اور لکھنؤ کی قصیدہ خوانی کی محفلیں انہی دونوں کے قصیدوں سے سج جاتی تھی۔

مہاراجہ محمود آباد کی چھوٹی رانی جو ہمارے گھر کے قریب اقبال منزل میں رہتی تھیں وہ امی کو بہت چاہتی تھیں۔ اور اُن کے یہاں کی جلوس تعزیہ اُٹھنے کی شب بیداری ۲۴ صفر کی مجلس پڑھتی تھیں۔

لکھنؤ میں جس مکان میں ہم لوگ رہتے تھے وہ سلطنت بیگم نان پارے والی بیگم کا مکان تھا۔ وہ نواب حامد علی خاں مرحوم کی بیوی تھیں۔ امی بتاتی تھیں کہ سلطنت بیگم بڑی پُرخلوص بی بی تھیں وہ امی سے اور اُن کے بیٹوں سے بھی بہت محبت کرتی تھیں۔ ایک بار ماسٹر حسن یاور صاحب کے یہاں مجلس میں امی ہمارے بڑے بھائی محسن اختر کو کالی شیروانی پہنا کر لے گئیں۔ اُس وقت بھائی جان کی عُمر

امی بتاتی ہیں کہ نو دس برس کی تھی۔ سلطنت بیگم کہنے لگیں۔
"دُلہن اِس قدر بادل گرج رہے ہیں اور بجلی کڑک رہی ہے بیٹے کو کالی شیروانی پہنا کر لائی ہو"۔

امی نے جب ہم لوگوں کی روزہ کشائی کی تو صبح سے سبھی ہوتی کر دینا آنے لگیں اور شام تک افطاری کا ڈھیر لگ گیا۔ جب کہ گھر میں افطاری تیار ہو رہی تھی۔ ایک بار ہمارے عمو (والد صاحب) کی طبیعت خراب ہو گئی۔ وہ ہاسپٹل میں داخل تھے۔ امی کی مصروفیت اور پریشانی میں اضافہ ہو گیا۔ تو مجھے یاد ہے عمو کے ایک دوست ذکی صاحب کی بہن انو پھوپھی آکر گھر کا سارا کام روز سنبھال لیتی تھیں۔ ان باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اہلِ لکھنؤ کس قدر پُر خلوص ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس کراچی میں انتہائی بداخلاقی کا مظاہرہ قدم قدم پر نظر آتا ہے لیکن انہوں نے اپنی پُر خلوص اور عظیم شخصیت سے یہاں کے لوگوں کو بھی پُر خلوص بنا دیا۔ اور سا کا اُن کے انتقال کے بعد انھیں اُسی طرح یاد کیا جاتا ہے جیسا کہ لکھنؤ میں یاد کیا جاتا ہے۔

اُن کی ذاکری اور پُر خلوص شخصیت کے علاوہ ایک خوبی زندہ دلی تھی۔ انہوں نے رنجیدہ یا اُداس رہنا سیکھا ہی نہیں تھا۔ اُن کے چہرے پر ہر وقت مسکراہٹ رہتی تھی۔ بات بات پر جملے کہتی تھیں اور ایسے جملے کہ گفتگو کرنے والا ہنسے بغیر نہیں رہ سکتا تھا اور یہی نہیں کہ صرف غیر خواتین سے اور عزیز رشتہ داروں سے بلکہ گھر میں بھی مذاق کی باتیں کرتی تھیں۔ ایک بار کیا ہوا کہ " میں جب منظور حسین رضوی، کجن صاحب مرحوم سے سوز خوانی سیکھ رہی تھی۔ ایک دن وہ تشریف لائے۔ میں اسکول سے تھکی ہوئی آئی تھی۔ اُس دن دل نہ چاہا۔ میں اُن کے پاس نہ گئی۔ وہ بیٹھے انتظار کر رہے تھے۔ امی نے کہا۔" بوڑھے آدمی اتنے

خلوص سے آتے ہیں اگر نہیں سیکھنا تو منع کر دو۔ میں پھر بھی نہ گئی تو امی نے فرمایا
"ایسا کرو تم یہیں بیٹھی رہو اپنا گلا کاٹ کر محسن صاحب کے پاس بھیج دو۔" مجھے امی کے اس جملے پر آج بھی ہنسی آجاتی ہے۔ امی کی ایک بہت پرانی دوست گوہر بخو (ڈاکٹر صادق صاحب اُستاد شعبۂ فزکس جامعہ کراچی) کی والدہ ہیں۔ اُن سے امی کو بہت محبت تھی اور گوہر بخو بھی امی سے بہت محبت کرتی ہیں۔ امی کے انتقال پر ایسا ایسا تڑپ تڑپ کر روئیں جیسے سگی بہن روتی ہے۔ گوہر بخو ہمارے گھر کے قریب ہی لکھنؤ میں رہا کرتی تھیں۔ وہ جب بھی ہمارے گھر آتی تھیں یا امی اُن کے گھر جاتی تھیں ایسی دلچسپ گفتگو ہوتی کہ ہم لوگوں کی ہنسی نہ تھمتی تھی۔ ایسے ایسے لطیفے ہوتے کہ روتا انسان بھی ہنس پڑے۔ یہ اُن کی زندہ دلی اور تمسخر کی مثالیں تھیں۔

ایک لطیفہ یاد آیا۔ کسی مجلس میں ایک خاتون نے پوچھنا شروع کیا کہ آپ کے بیٹے ضمیر اختر کی شادی ہوگئی۔ امی نے کہا۔ نہیں۔ انہوں نے پوچھا۔ اُن سے بڑے کی شادی ہوگئی۔ امی نے کہا نہیں۔ انہوں نے پھر پوچھا۔ آپ کی بیٹیوں میں سے کسی کی شادی ہوگئی..... امی نے عاجز ہو کر کہا۔

"دیکھئے ہمارے گھر میں ابھی صرف ہماری شادی ہوئی ہے اور کسی کی نہیں۔"

شوکت تھانوی کی ناولوں کے پورے پورے پلاٹ اُنھیں یاد تھے۔ خان محبوب طرزی کی "لونار" کے ٹکڑے سُنا کر ہنساتی تھیں۔ عادل رشید کی ناول "پیر صاحب" کے لطیفے جب سناتی تھیں تو اُن کے اندازِ بیان میں اِس قدر مزا آیا کرتا تھا کہ بے اختیار ہنسی آتی تھی۔ کبھی کبھی اکبر الہ آبادی کے اشعار سُنا کر ہنسا دیتی تھیں۔ ظریف لکھنوی کا "سفرنامہ" اُنھیں مکمل یاد تھا۔

امی ہنستی ہوئی اُن کی زندگی میں یکم محرم سے بالکل انقلاب آجاتا تھا اور سوا دو مہینے پھر دُنیا کا کوئی کام اُنھیں اچھا نہیں لگتا تھا۔ میری امی کے لباس بہت نفیس ہوتے تھے لیکن اُن کا رنگ سنجیدہ ہوتا تھا۔ خاص طور سے محرم کے دنوں میں سیاہ، سبز اور سفید رنگ کا استعمال کرتی تھیں۔ آخری مجلس میں وہ سیاہ ساڑھی میں ملبوس تھیں۔ اُن کے بال کھلے ہوئے تھے۔ میں نے اُنھیں سال کے تین دنوں میں دیکھا کہ وہ سر کے بالوں کو کھول دیتی تھیں۔ اکیس رمضان، روزِ عاشور اور اربعین کے روز۔ لیکن میں نے پہلی بار غور کیا تو اُنھوں نے اس سال ۸ ربیع الاوّل کو بھی بال کھول دیئے تھے اور اسی ماتمی صُورت میں وہ ہم سے رُخصت ہوگئیں۔

آخری وقت میں، میں اُن کے بہت قریب بیٹھی تھی۔ جب وہ اپنے عزاخانے میں اچانک گر گئیں۔ اور اُنھوں نے صرف ایک ہچکی لے کر آنکھیں بند کرلیں تو میرے مُنہ سے چیخ نکل گئی اور میں نے چلا کر پُکارا۔ امی.... مگر امی نے پھر جواب نہیں دیا۔ پھر نہیں بولیں.... امی ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئیں۔

آج اِس واقعہ کو ایک سال ہوگیا۔ محرم کا چاند ہُوا۔ امام باڑہ سجایا گیا۔ اُن کی یاد آئی..... سالانہ مجلسیں مُنعقد ہوئیں اُن کی یاد آئی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے اُن کی برسی کی تاریخ آگئی۔ لیکن امی کے تصور میں ذہن کھویا رہتا ہے۔ اُن کے غم میں کمی نہیں ہوتی۔

ماں سب کو پیاری ہوتی ہے۔ لیکن یہاں عجیب ماں ماں تھی جس نے اپنی زندگی کے اُصول ترتیب دیئے تھے۔ پوری زندگی عبادتِ الٰہی اور مقصدِ حسینیت میں گنوادی۔ یہاں تک کہ مرنے تک کا پُورا نقشہ جیسے اُنھوں نے اپنے ذہن میں ترتیب دے لیا تھا۔ اُن کے بیس پچیس سال پُرانے نوحوں اور قصیدوں میں جو دُعائیں مانگی گئی ہیں۔ موت کے سلسلے میں وہ حرف بحرف پُوری ہوگئیں اور انھیں جیسی موت

چاہیے تھی وہ مل گئی۔ اور عجب نہیں کہ موت کی بشارت خواب میں مل گئی ہو۔ اس لئے کہ اُن کی عبادتیں، نمازِ شب کا پڑھنا، شبِ جمعہ میں بیدار رہنا۔ انتقال سے چند دن پہلے سے علم کے ٹیکوں کو سی کر تیار کرنا، مجلس پڑھ کر آتی تھیں تو سیدھے عزاخانے میں چلی جاتی تھیں اور وہیں نماز پڑھ کر دوسری مجلس میں روانہ ہو جاتی تھیں...... یہ سب باتیں بتاتی ہیں کہ اُنھیں اپنے سفرِ آخرت کا علم تھا۔

آٹھ ربیع الاول کی شب میں جب آخری مجلس پڑھ کر گھر واپس آئیں تو رات کافی ہو گئی تھی۔ سب کے ساتھ کھانا کھا کر امی نے پان کھایا اور دیر تک ہمارے دادا مرحوم کے قصے سُناتی رہیں۔ کچھ دیر کے بعد امی سو گئیں۔ میں بھی اُن کے پاس لیٹ کر سو گئی۔

صبح کو امی نے اُٹھ کر نماز پڑھی اور مجلس میں چائے پلانے کے لئے انہوں نے چائے کی تیاری شروع کر دی اور رنگ تیار کیا۔ "آلو چھولے" خواتین کو کھلانے کا خیال تھا اس لئے اُبلنے کے لئے مٹر بھی چڑھا دیئے۔ اُس کے بعد اُنہوں نے کپڑے دھوئے پھر تیار ہو کر رضویہ امام باڑے زنانی مجلس میں گئیں وہاں اپنی مجلس کا اعلان کیا اور گھر آکر مجلس کا فرش وغیرہ ٹھیک کیا۔ تین بجے کے قریب آکر اچانک اُنھیں حرکتِ قلب کا دورہ پڑا جسے ہم لوگ سمجھ نہ سکے اور نہ انہوں نے اہمیت دی وہ پہچان ہی نہ سکیں بس دل پکڑ کر زمین پر بیٹھ گئیں۔ صرف اِتنا کہا "میرے مولا..... مجلس آکر کروائیے..... مولا میری مجلس ہو جائے۔"

ہم نے اُنہیں لٹا دیا۔ تھوڑی دیر تک وہ آرام کرتی رہیں۔ پھر فرشِ عزا پر آکر بیٹھ گئیں اور بالکل ٹھیک نظر آ رہی تھیں۔ اور باقاعدہ چل پھر بھی رہی تھیں ہم لوگ باورچی خانے میں تھے وہاں تک آئیں کہ چلو سب لوگ آگئے ہیں چل کر

مجلس شروع کردو۔ بیگم مصطفٰے تو اب تک نہیں آئیں۔ سب کو جلوس کی زیارت کرنے بھی جانا ہے اور عید کی شب بھی لگ جائے گی۔

یہ بات ۵ بجے کی ہے۔ ہم لوگوں نے مجلس شروع کر دی.... پانچ بج کر دس منٹ ہوئے تھے کہ امّی نے عزاخانے کی چوکھٹ پر سر رکھا اور روح جنت کی طرف پرواز کر گئی۔ ؎

کہ آج چوم کے بیت العزا کی چوکھٹ کو
سوئے حسین چلی گئیں محسنہ جناں کی طرف

میری

ممانی

محترمہ بیگم مشتاق حسین

میں جس ہستی سے متعلق اس وقت اپنے خیالات اور جذبات کا اظہار کرنا چاہتی ہوں۔ بہتر یہ ہوگا کہ اُن سے اپنی رشتہ داری کی نوعیت بھی بتاتی چلوں۔ پہلی یہ کہ وہ میرے شوہر کی ممانی تھیں اور دوسری یہ کہ میری بیٹی اُن کے بھائی سے منسوب ہے۔ اُن سے میری پہلی ملاقات لکھنؤ میں ہوئی گو کہ یہ سرسری ملاقات تھی، لیکن انہوں نے کچھ ایسی عمدگی سے گفتگو کی جس نے میرے دل پر گہرے نقوش چھوڑے اور اپنائیت کا احساس پیدا ہوا۔

پھر جب وہ مستقلاً کراچی آگئیں تو اُن کے کردار کی بہت سی خوبیاں سامنے آئیں یوں تو جو باتیں عام طور پر پسندیدہ تصور کی جاتی ہیں وہ اُن کی ذات میں موجود تھیں۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ ان کی تین باتیں مجھے بیحد پسند تھیں۔ ایک اعزاء کا خیال، ان کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھنا اور اُن کے غم کو اپنا غم۔

دوسرے خیالات میں وسعت و یکسانیت اور تیسرا اندازِ گفتگو۔ باتیں

اتنی دلچسپ کرتی تھیں کہ وقت گزر جانے کی مطلق خبر نہ ہوتی تھی۔ بس یہی جی چاہتا تھا کہ اُن کی گفتگو طویل سے طویل تر ہوتی جائے اور جب اُن کے پاس سے اُٹھو تو طبیعت میں ایک قسم کی شگفتگی محسوس ہوتی تھی۔

میری اور اُن کی گفتگو کے دو پہلو ہوتے تھے، ایک سنجیدگی کا انداز لیے ہوئے۔ جو کہ عام طور پر مذہبی اُمور پہ ہوتی تھی اور دوسرا تمسخرانہ۔

اُن کے خلوص کا ایک معمولی سا واقعہ یہ ہے کہ جب میرے بیٹے آفتاب کا انتخاب بحیثیت پائلٹ پاکستان ایئر فورس میں ہو گیا تو انتہائی خوشی کا اظہار کیا۔ جب ٹریننگ پر جانے کے لیے اُس کی روانگی کا وقت آیا تو اُسے بلا بھیجا۔ میں بھی ہمراہ تھی۔ بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ عزاخانے میں لے جا کر ضریح میں گروی کیا فریادی ماتم پڑھوایا۔ قرآن کے سائے تلے رخصت کیا۔

اِس خلوص کا اظہار کوئی کر سکتا ہے۔ اور یہ لگن کس کو ہوگی۔ یقیناً اُس کو جو اپنا خاص عزیز ہو۔

ایک بار کسی خاتون نے میرا اور ممانی کے رشتے کا تعارف چاہا۔ ممانی نے مسکرا کر فرمایا۔

"یہ میری ممانی ہیں۔ میں ان کی ممانی ہوں۔ ان کی بیٹی ہمارے بچوں کی ممانی ہیں۔"

اُن کی ذاکری مجھے بے حد پسند تھی۔ انہوں نے میرے یہاں ۶۷ء سے لے کر اپریل ۷۴ء تک اکثر مجالس پڑھیں۔ ایک سال میں دو مجالس ضرور پڑھا کرتی تھیں۔

آخری مجلس اپنے انتقال سے دو یوم قبل یعنی ۶ ربیع الاول کو پڑھی تھی میری اُن سے آخری ملاقات بتاریخ ۸ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ کو خود انہیں کے

گھر پہ ہوئی۔ یوں سمجھئے کہ اُن کا وقتِ آخر اور میری آخری ملاقات میں بھی اُسی مجلس کے فرش پر موجود تھی۔ جس پر انہوں نے دم توڑا جس وقت ڈاکٹر نے یہ آکر کہا کہ ان کا انتقال ہو چکا ہے تو یوں محسوس ہوا کہ جیسے یہ غلط کہہ رہا ہے۔ اور کافی دیر تک یہی کیفیت رہی یقین نہیں آتا تھا۔ پھر جب جذبات پر کچھ قابو حاصل ہوا تو یوں محسوس ہوا کہ بس اب اس خلا۔ کو کوئی پُر نہیں کر سکے گا۔ اب بھی اُن کی یاد اکثر و بیشتر آتی رہتی ہے اور اس وقت اور شدت اختیار کر لیتی ہے جب عزا ہیں زنانی مجالس ہوتی ہیں یا خود زنانی مجالس ہوتی ہیں یا خود زنانی مجالس کرنا ہوتی ہیں۔ طبقۂ ذاکرین نے ایک وطیرہ بنا لیا ہے کہ ہنگامِ استدعا اپنی مشغولیت یا ناسازگئ طبیعت کا عذر کسی نہ کسی عنوان سے ضرور پیش کرتے ہیں۔

لیکن وہ باوجود اپنی گوناگوں مصروفیات کے ذاکری کے لئے ضرور وقت نکال لیتی تھیں۔ مجھے یاد نہیں کہ کسی نے اُن سے ذاکری کی استدعا کی ہو اور انہوں نے کبھی کسی کی بات رد کی ہو۔

میں یہ سمجھتی ہوں کہ اپنے قلم سے میں اپنے دلی جذبات کا صحیح اظہار نہیں کر سکی۔

انوکھی موت

محترمہ بیگم پروفیسر منظر حسین کاظمی

اپنے ننھیال کی قرابت داری کے علاوہ محترمہ بیگم مرحومہ میرے شوہر کی ساتھی تھیں۔ میں قربتوں کے فاصلے رشتے داری سے ناپنے کی قائل نہیں۔ خلوص اور محبت قربت کی اصل میزان ہیں۔

مرحومہ خلوص و محبت کا ایسا پیکر تھیں، جنہیں دوستی یا رشتے داری سے زیادہ بلندی پر کہا جا سکتا ہے اور اُن کی مجھ سے قربت کچھ اسی بلندی پر تھی۔

مرحومہ کی مجالس کا معیار صفِ اوّل کے مقررین کے ہم پلہ تھا۔ اُن کی تقاریر مدلل ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی مؤثر تھیں۔ جس میں حسینیت کا وہ خلوص جھلکتا تھا جو کم ذاکروں کو نصیب ہے۔

جب وہ میرے پاس آتیں یا میں اُن کے پاس جاتی تو تقریباً ہر موضوع پر گفتگو ہوتی تھی جس میں سنجیدگی بھی ہوتی اور مزاح بھی۔ اُن کا ناصحانہ انداز ایسا ہوتا کہ کچھ نہ کچھ حاصل ہی ہوتا تھا۔ اُن کی گفتگو کا ایک دل کش اور قابلِ قدر پہلو یہ تھا کہ مرحومہ کبھی کسی کی برائی یا غیبت نہ کرتیں جو ان کے مومنہ ہونے کی بڑی دلیل ہے۔

محرم کی ملاقاتیں تو وقفِ امام تھیں۔ مسئلے مسائل اور ان کا تجزیہ بڑے دل کش انداز میں ہوتا۔ جس سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ مرحومہ کا اسلامی تذکروں

کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ مجھے یاد ہے کہ بچیوں کے نوحہ غم پڑھتے وقت اگر پڑھانے والوں کی تعداد میں کمی محسوس کرتیں اور آواز گرفتہ بھی ہو تب بھی ساتھ پڑھانے اور ماتم کرنے کھڑی ہو جاتی تھیں۔

آخری ملاقاتیں تو جیسے خواب بن کر رہ گئی ہیں۔ آخری دن سے دو چار دن پہلے کی بات تھی کہ میرے شوہر نے ایک اسلامی دلچسپ گفتگو چھیڑا تو مسکرا کر بولیں۔ "تمہیں تو شاید ایسوں سے عشق ہو گیا ہے جنہیں عام طور پر لوگ اچھا نہیں سمجھتے" پھر کچھ شجرے کا ذکر آیا تو اُن کا حافظہ الامان الحفیظ۔ اپنے تو اپنے غیر خاندانوں کے شجرے سُنا ڈالے۔ میرے میاں نے فوراً اپنا شجرہ پیش کیا تو اُس میں بھی کئی نام بتلا دیئے اور کہا کہ پھر تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

ہائے افسوس کہ اس تفصیل کا وقت پھر مرحومہ کو نہ مل سکا۔

انتقال سے چند لمحات قبل وہ میرے ساتھ اپنے ہی گھر کی زنانی مجلس میں بیٹھی تھیں۔ جس وقت اُنھوں نے نوحہ و مرثیہ پڑھنے کی فرمائش کی یہ مطلق احساس نہ تھا کہ انھیں کچھ اُلجھن ہے۔ مجلس شروع ہونے سے قبل اتنا ضرور کہہ رہی تھیں کہ طبیعت کچھ بھاری ہے۔ بازو و دل پر کچھ بوجھ ہے جو شاید بیاسی ہے۔ سوزخوانی کے دوران عزاخانے میں شمعیں روشن کیں ـــــ اگربتی جلائی اور امام باڑے کی چوکھٹ پر بیٹھ گئیں۔ فاتحہ پڑھنے کے ساتھ ہی فرشِ عزاخانے پر اُن کا جسم گر گیا۔ میں گھبرا کر ڈاکٹر کو بلانے بھاگی۔ جب ڈاکٹر کو لے کر آئی تو مرحومہ داغِ مفارقت دے چکی تھیں۔ وہ تصویر اب تک میری نظروں میں ہے۔ اور میں اب تک یہ نہ سمجھ سکی کہ اس طرح بھی انتقال ہوتا

ہے۔ عجیب موت تھی عاشق حسین اور ذاکر حسین کی، کہ مجلس میں خود سب کے لئے فرش بچھایا اور ذکرِ حسینؑ سنتے سنتے رخصت ہو گئیں۔

انتقال کے وقت تمام مجلس کی عورتیں جمع تھیں ہر طرف آہ وزاری تھی کچھ عورتیں بھاگ کر اپنے گھروں میں اطلاع کرنے گئیں اور باہر مردوں کا بھی مجمع ہو گیا۔

انتقال کے بعد میری عجیب کیفیت تھی، جیسے یقین ہی نہ آتا تھا کہ چند لمحے پہلے پڑھنے کی فرمائش کرنے والی یوں اچانک کیسے خاموش ہو گئی۔ لمحہ بھر سوچنے پر یہ احساس اُبھرا کہ اُنھیں کچھ زیادہ تکلیف ضرور تھی کیونکہ پیشانی پر پسینہ آرہا تھا لیکن واہ رے صابرہ کہ حسینؑ کی مجلس میں بے ادبی تصور کرتے ہوئے اپنی تکلیف کا اظہار نہ کیا۔ ورنہ شاید کچھ علاج ہوتا تو اُن کے بچوں کی حسرت پوری ہو جاتی کہ وقتِ رخصت سب موجود ہوتے۔ کوئی گشت میں گیا تھا اور کوئی یونیورسٹی میں۔

اب جو مرحومہ کی یاد آتی ہے تو اکثر مسئلے مسائل پر گفتگو کے وقت یا مجالس میں اچھی تعداد یہ نہ ملنے پر، یا پھر کسی اہم معاملے میں پُر خلوص مشورہ نہ ملنے پر۔

کاش مرحومہ زندہ ہوتیں اور وہ اپنائیت میسر ہوتی جو صرف اُنہیں کا حصہ تھی۔

محسنہ بیگم آپ کے بعد

مجلسیں سونی ہو گئیں

• سید ضیا من علی •

ھائے موت! تو نے ہم سے کیسی کیسی پیاری اور عظیم ترین ہستیاں چھین لیں۔ اور ہم آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب بہاتے ہوئے تیری سنگ دلی اور شقاوت پر نوحۂ غم پڑھنے کے لئے زندہ رہ گئے۔

اے موت! تو نے کڑیل جوانوں اور جوان بیٹوں اور پالنے میں انگوٹھا چوستے ہوئے بچوں سے اُن کی مائیں چھین لیں۔ اور ماؤں سے اُن کے گبرو بیٹوں اور نازک سی بیٹیوں کو چھین لیا۔ شوہر سے بیوی کو جدا کر دیا۔ بھائی سے بھائی کو دور کر دیا۔ تو نے زندگی کے نور سے چمکتی ہوئی ان گنت آنکھوں میں اندھیرا گھول دیا۔ تو نے پیار کے نغمے الاپنے والی زبانوں کو کاٹ دیا۔ تو نے کتنے ہی گھرانوں کی خوشیاں اپنے نوکیلے خونی پنجوں سے جھنجوڑ کر رکھ دیں۔ تو نے ہنستے مسکراتے چہروں پر ویرانیاں مسلط کر دیں۔ تو جس طرف رُخ کرتی ہے وہاں سناٹوں کی حکمرانی تمام کر جاتی ہے۔

کبھی تو چنگیز خاں کی شکل میں نمودار ہو کر انسانی سروں کا مینار تعمیر کرتی ہے۔ اور کبھی ہلاکو خاں بن کر شہر بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتی ہے۔

کبھی تو زلزلہ بن کر آتی ہے اور زندگی کے ہنگاموں سے معمور شہروں کو

تو خاک کر دیتی ہے۔

کبھی سوئے ہوئے آتش فشاں پہاڑوں کو جھنجھوڑ کر جگا دیتی ہے اور لپکتے ہوئے لاوے کی ہلاکت خیزی پر قہقہے مار کر رقص کرتی ہے۔

کبھی پرسکون سمندروں کو اکسا کر سیلاب لے آتی ہے اور ڈوبتے ہوئے انسانوں کے چہروں پر چھائے ہوئے خوف کو دیکھ کر تیرے انگ انگ میں شیطانی مسرت لہو بن کر دوڑنے لگتی ہے۔

کبھی تو سرطان کا پھوڑا بن کر تارِ زندگی توڑ ڈالتی ہے۔

کبھی تو متعدی بیماریوں میں گھیر کر انسان کو سسکا سسکا کر مارتی ہے

کبھی بس یا ٹرک یا رکشہ یا کار کے حادثے کو بہانہ بنا کر زندگیوں کی بھینٹ لیتی ہے۔

اور کبھی تو کرب وبلا کے میدان میں تیر کی شکل بنائے ننھے اصغر کے حلقوم میں پیوست ہو جاتی ہے۔

کبھی ایک مالی کے روپ میں آکر بیمار امام زین العابدین کو قید پردیس میں عظیم پھوپھی زینب کی رفاقت سے محروم کر دیتی ہے۔

کبھی شمر ملعون کی تلوار کا روپ دھار کر امام مظلوم کے سرِ اقدس کو تنِ مبارک سے جدا کرتی ہے

اے موت تو نے نبیؐ کی لاڈلی فاطمہ زہرا کو بھی نہ چھوڑا۔

الغرض تیرے کروڑوں روپ ہیں۔ کبھی تو سسکا سسکا کر مارتی ہے اور کبھی اچانک غیر متوقع طور پر سازِ حیات کے تاروں کو توڑ ڈالتی ہے۔

لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ تو جسمِ خاکی سے روح آرام اور سکون کے ساتھ نکال کر لے جائے۔ تیری کوشش تو یہی ہوتی ہے کہ اذیت دے کر جان

سنائی جائے۔ لیکن کچھ مومن بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے لئے خالقِ کائنات کی بارگاہ سے تجھے حکم ملتا ہے کہ ان کو اس طرح زندگی سے محروم کرو جس طرح کلی چٹک کر پھول بن جاتی ہے۔ جیسے سورج مغرب میں ڈوب جاتا ہے۔ جیسے سنگم پر دو دریا ایک دوسرے میں ضم ہو جاتے ہیں۔ اور جیسے دبے پاؤں آکر رات کا اندھیرا دن کی روشنی سے گلے ملتا ہے۔ پھر تو مجبور ہو کر اُن عظیم ہستیوں کو لے جانے کے لئے خوبصورت پری کا روپ دھار کر آتی ہے۔ اور انھیں اپنے رنگ برنگے پروں پر بٹھا کر جنّت کی جانب روانہ ہو جاتی ہے۔

میرے عزیز دوست سید ضمیر اختر نقوی کی والدہ ذاکرۂ اہلِ بیتؑ محسنہ بیگم کو ۸ ربیع الاوّل کی شب فاطمہ معصومہ کے پاس لے جانے کے لئے موت حکمِ خداوندی کے تحت خوب صورت پری بن کر آئی اور انہیں حکمِ خدا سنایا، بی بی فاطمہ، بی بی زینب اور بی بی سکینہ اور ننھے شہزادے اصغر سے شوقِ ملاقات میں محسنہ بیگم فوراً جنّت کی طرف روانہ ہو گئیں۔

اُن کے بچے انھیں پکارتے رہ گئے۔

اُن کی صاحبزادیوں نے انھیں صدا دی۔

"اماں! تم ہمیں چھوڑ کر کہاں جا رہی ہو۔ ابھی تو تم نے جھمّن بھیا کے سر پر سہرا بھی نہیں باندھا۔ ابھی مت جاؤ اماں۔ رُک جاؤ اماں"

شریکِ مجلس خواتین نے التجا کی۔

"محسنہ بیگم! اپنی زندگی کی آخری مجلس تو سناتی جاؤ۔ ذرا گیارہویں امام کی بے کسی کا نقشہ تو کھینچ دو۔ اپنی آواز کے سوز سے ہمارے دلوں کو گداز تو کر جاؤ ۔۔۔ مت جاؤ محسنہ بیگم۔ تمہارے بعد مجلسیں سونی ہو جائیں گی...... آہوں میں لذت نہ رہے گی..... ہمیں تڑپانے کے لئے

غمِ حسینؑ ہی کافی ہے، تم تو ہمیں نہ تڑپاؤ ..... تم تو بہت شفیق بی بی ہو۔ ہم پر ستم نہ ڈھاؤ۔ ارے یہ موت ہے جس کے ساتھ تم بے تابانہ چلی جا رہی ہو۔ لیکن عاشقِ اہلِ بیت محسنہ بیگم اِن التجاؤں، اور ان درخواستوں کو ٹھکرا کر خوشی خوشی موت کے ساتھ چلی گئیں۔

میں ذاتی طور پر تو ضمیر اختر کی عظیم المرتبت والدہ سے متعارف نہیں تھا۔ لیکن ان کی موت کے واقعات سُن کر دل پر بے حد اثر ہُوا اور مجھے یقینِ کامل ہو گیا کہ اہلِ بیت کی محبت کی وجہ سے اور پیغامِ حسینؑ کو ان کے نانا کی اُمت تک پہنچانے کے صلے میں انھیں اتنی آسان موت نصیب ہوئی۔ موت سے مفر تو ممکن نہیں لیکن ایسی موت کی آرزو تو دُنیا کا ہر فرد کرتا ہے کہ پلک جھپکتے میں رُوح جسمِ خاکی سے نکل کر عالمِ بالا کی جانب محوِ پرواز ہو جائے۔

اور پھر مقامِ وفات بھی کتنی عظیم اور مقدس جگہ ہے۔ فرشِ مجلس پر جان دینا ضمانت ہے اِس بات کی کہ محسنہ بیگم مومنہ تھیں۔ اور مومن کے لئے جنت کے باغ ہیں اور حوضِ کوثر ہے۔ اور مقدس ہستیوں کی ہم نشینی کا شرف اُسے حاصل ہوتا ہے۔

میری تو آرزو ہے کہ یا خُدا مجھے بھی ایسی ہی "منسوب صورت" موت سے دوچار کرنا۔

ماں

• شاہد نقوی •

مرحومہ محسنہ بیگم کی برسی کے موقع پر مرثیہ "ماں کا دل" شاہد نقوی مدظلہ پیش فرمائیں گے۔ جس کے چند بند پیشِ خدمت ہیں۔ مرثیہ کی ابتدا موصوف نے اپنی والدہ کے انتقال کے بعد کی تھی۔ مومنین سے مرحومہ کی روح کے ایصالِ ثواب کے لئے ایک سورہ فاتحہ کی درخواست ہے۔

ہر دورِ زندگی کی ضرورت ہے ماں کا دل — بے لوث شفقتوں کی ضمانت ہے ماں کا دل
آئینۂ مزاجِ مشیت ہے ماں کا دل — واضح ترین آیۂ رحمت ہے ماں کا دل
اندازہ اس کا ہوتا ہے کچھ ماں کی چاہ سے
بندوں کو دیکھتا ہے خدا کس نگاہ سے

تخلیقِ کائنات کا محور ہے ماں کا دل — تربیتِ حیات کا مصدر ہے ماں کا دل
تصویرِ حسنِ ذات کا محور ہے ماں کا دل — اللہ کی صفات کا مظہر ہے ماں کا دل
دعویٰ اگر ہے معرفتِ کردگار کا
تو ناپ کر دکھائے کوئی ماں کے پیار کا

تخلیق کے عمل میں مشیت نما ہے ماں
انسان کے شعور کی پہلی صدا ہے ماں

شانِ ربوبیت کا لطیف آئینہ ہے ماں
سب سے بڑی دلیلِ وجودِ خدا ہے ماں

جو چاہے نورِ جلوۂ یزداں کو دیکھ لے
اِک جنبشِ نظر سے کسی ماں کو دیکھ لے

یوں تو تمام عالمِ امکاں پہ بے گماں
سایہ فگن ہے رحمتِ خلاقِ دو جہاں

اس لطفِ بے کراں کی مگر انتہا ہے ماں
یہ رابطہ ہے بندہ و خالق کے درمیاں

ماں سے پھرا تو رحمتِ رب سے کٹ گیا
جو اپنی اصل بھول گیا تو سب سے کٹ گیا

ہے ماں سے انحراف شرافت سے انحراف
بے لوث ممتا کی شرافت سے انحراف

فطرت کے خانہ زاد کا فطرت سے انحراف
اپنے وجود اپنی حقیقت سے انحراف

کیا کہیئے بدگمانیٔ فکرِ عجیب کو
خود اپنا اعتبار نہیں بدنصیب کو

تعظیم واحترام کا رشتہ نہ ماں سے توڑ
ملتا نہیں سعادت وگردن کشی کا جوڑ

بھٹکے گا راہِ زیست میں منزل سے منہ موڑ
بخشش کی آرزو ہے تو ماں کے قدم نہ چھوڑ

سوچ! اس کے قلب و روح کا پھر کیا مقام ہے
فردوس جس کے گردِ کفِ پا کا نام ہے

*

دلیلِ وجودِ خدا ہے ماں

علامہ ابنِ حسن نجفی نے محترمہ بیگم مرحومہ کی مجلس چہلم میں فرمایا
وہ سورہ نساء کی ۳۶ ویں آیت میں ارشادِ رب العزت ہے
کہ میری بندگی بجا لاؤ اور کسی کو میرا شریک قرار نہ دو اور
فوراً ہی یہ ہدایت بھی کہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک
کیا کرو۔"

جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔ اگر حاصل کرنا چاہو تو دل کھول
کر ماں کی خدمت کرو۔ ماں کو خوش کرنے سے خدا خوش ہوتا ہے
اور ماں کو ناراض کرنے سے خدا ناراض ہوتا ہے۔

(حضرت ختمی مرتبتؐ)

ماں کی معصومیت اس وقت قابلِ دید ہوتی ہے۔ جب وہ بچے
کو گود میں لئے مسکرا رہی ہو۔

(گوتم بدھ)

- آسمان کا بہترین اور آخری تحفہ ماں ہے۔ (ملٹن)

- ماں کی کبھی بدگمانی نہ لو کیونکہ وہ بدقسمت ہی ہوتا ہے جس کو بد دعا
ملتی ہے۔ (صلاح الدین ایوبی)

"کہتے ہیں ماں کے پاؤں کے نیچے بہشت ہے۔"

انیس

- "زیرِ قدمِ والدہ فردوسِ بریں ہے۔"

مرزا دبیر

- ماں کی گود انسان کا پہلا مکتب ہے اور گہوارہ ہے۔ والٹر

- سخت سے سخت دل کو ماں کی پُرنم آنکھوں سے موم کیا جا سکتا ہے۔ علامہ اقبال

- ماں کے بغیر گھر قبرستان لگتا ہے۔

(اورنگ زیب عالمگیر)

- دُنیا کی سب سے حسین شے ماں اور صرف ماں ہے۔ (محمد علی جوہر)

- ماں کی محبت حقیقت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔

(مولانا حالی)

- اگر مجھ سے ماں چھین لی جائے تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔

ورڈزورتھ

کلام محسنه

نوحہ

بنی اسد سے امام حسینؑ کی وصیت

شہؑ نے کہا جو بن میں ہمیں قتل پائیو
اے اہلِ قریہ لاش ہماری اُٹھائیو

ہوگا بس ایک عشرے کا مہماں یہ غم نصیب
دس دن کے بعد لاشے ہمارے اُٹھائیو

پانی ملے گا ہم کو نہ اس سرزمین پہ
دل سے ہماری پیاس نہ ہرگز بھلائیو

زائر ہمارا گر کوئی آئے کبھی یہاں
رستہ ہماری قبر کا اُس کو بتائیو

ہم یہ زمین بخشتے ہیں پھر تمہیں مگر
قبریں بنا کے اک نئی بستی بسائیو

شامی ہمارے کشتوں کو چھوڑیں گے بےکفن
تم رسم کھا کے گنج شہیداں بنائیو

آیا ہوں بخشوانے میں اُمّتِ رسولؐ کی
میری وصیتوں کو نہ دل سے بھلائیو

سیّد ہوں اور امام تمہارا ہوں بے خطا
بہرِ رسولؐ تم نہ یہ رُتبہ بھلائیو

آجائے گر یہاں پہ کوئی میرا ہم وطن
افسانہ بیکسی کا مری تم سنائیو

دل سے سنو کہ ہے یہ وصیت حسینؑ کی
تم تین روز شیعوں کو مہمان بنائیو

اہلِ حرم مجھے رونے نہ پائیں گے
دس روز تم میری صفِ ماتم بچھائیو

پاؤ گے اِس سلوک کا بدلہ رسولؐ سے
محشر میں میرے ساتھ ہی جنت میں جائیو

آقا سے عرض کرتی ہے ناچیز محسنہ
اس خادمہ کو روضے پہ جلدی بلائیو

*

نوحہ

در حالِ حضرت عباس علیہ السلام

علی کے لال کو جرأت سلام کہتی ہے
وفا کو شہؑ کی رفاقت سلام کہتی ہے

زبانِ خشک کو غیرت سلام کہتی ہے
لبوں کو نہر کی حسرت سلام کہتی ہے

جری کے عزم کو ہمت سلام کہتی ہے

جو تشنگیِ سکینہؑ کی تاب لا نہ سکا
گیا فرات کے ساحل پہ بن کے جو سقا

جو مشک بھر کے بھی پیاسا ہی نہر سے پلٹا
بہا جو آب تو خیموں کا رُخ نہ اپنایا

وفا کو اُس کی، امامت سلام کہتی ہے

لکھا ہے پرچمِ جرأت پہ آج بھی عباسؑ
وہ جس کے خون سے قائم ہوئی وفا کی اساس

گلِ ریاضِ علی ہیں اُسی کی ہے بو باس
وہ جس سے بڑھ کے نہیں تھا کوئی حسینؑ شناس

جسے حسینؑ کی اُلفت سلام کہتی ہے

جو کر سکا نہ زمانہ کیا اُس نے وہ کام
جو بھوک پیاس میں بھی کر گیا جہاد میں نام

جسے ہٹا نہ سکے ظالمانِ کوفہ و شام
جو بعدِ مرگ بھی ساحل پہ ہے وہ عرش مقام

جسے علیؑ کی شجاعت سلام کہتی ہے

چلا فرات کو شبیر کے اشارے سے
دل و جگر سے نکلتے تھے گو شرارے سے

پلٹ کے آ گیا پیاسا ہی جو کنارے سے
بچایا جس نے سفینے کو تیز دھارے سے

اب اُس کو کشتیِ اُمت سلام کہتی ہے

مری زبان پہ رہتا ہے ہر گھڑی عباسؑ
ہیں زائروں کے مددگار آپ ہی عباسؑ

عیاں ہے آپ پہ مقصودِ زندگی عباسؑ
ہے محسنہ بھی زیارت کی ملتجی عباسؑ

اسیرِ شوقِ زیارت سلام کہتی ہے

نوحہ

در حالِ حضرت علی اکبرؑ علیہ السلام

کڑیل جواں کی لاش پہ جب شاہؑ آئیں گے
ہر ہر قدم پہ ٹھوکریں میداں میں کھائیں گے

کس دل سے آہ دیکھیں گے اکبرؑ کا حالِ زار
سُن کر صدا جو خیمے سے مقتل میں جائیں گے

ٹوٹی کمر حسینؑ کی فرقت میں بھائی کی
کڑیل جواں کی لاش کو کیوں کر اُٹھائیں گے

تاریک ہوگا آنکھوں میں سرورؑ کے کُل جہاں
زخمِ جگر جو باپ کو اکبرؑ دکھائیں گے

حوریں فلک پہ روئیں گی روئیں گے سب ملک
جب رن سے شاہؑ میتِ اکبرؑ اُٹھائیں گے

گودی میں لے کے لاش کو کیسے چلیں گے شاہؑ
اکبرؑ کے پاؤں خاک پر خط دیتے جائیں گے

غش آئیں گے حسینؑ سے صابر کو اُس گھڑی
اکبرؑ جو مُنہ کو موڑ کے بابا سے جائیں گے

کیوں کر اُٹھے گی لاش کہ تنہا ہیں شاہِ دیں
بہرِ مدد حسینؑ کسے اب بُلائیں گے

اے محسنؔ یقین ہے دل کو کہ بعدِ مرگ
مولائے دوجہاں تری تربت میں آئیں گے

نوحہ

درحالِ شہادتِ حضرت علی اصغر علیہ السلام

کرب و بلا میں ستم شہ پہ نرالے ہوئے
چھٹ گئے شبیرؑ سے گود کے پالے ہوئے

لائے جب اصغرؑ کو شاہ فوجِ ستمگر میں
نانا کی اپنے عبا اُن پہ تھے ڈالے ہوئے

بچے کو کر کے بلند بولے شہِ انس و جاں
ہیں یہ چھ ماہے مری گود کے پالے ہوئے

گر میں گناہگار ہوں اس کی خطا تو بتاؤ
پیاس کے مارے زباں ہیں یہ نکالے ہوئے

کیا نہیں تم کو خبر اُن کے ہیں دادا رسولؐ
بنتِ علیؑ کے یہ ہیں گود کے پالے ہوئے

سُن کے یہ شہ کا سوال آیا قریں حرملہ
ہاتھ میں لے کر کماں تیر سنبھالے ہوئے

کر دیا اُس نے رہا جوڑ کے چلّے میں تیر
ہائے وہ غنچہ دہن ہنسلیاں ڈالے ہوئے

تیر گلے پہ لگا، بولے امامِ زمن
مر گئے کیا تم بھی ہائے گود کے پالے ہوئے

لے گئے اصغرؑ کو شہ عترتِ اطہار میں
پار ہر اک قلب کے بانوؑ کے نالے ہوئے

محسنہ رو کو قلم لکھو نہ سرورؑ کا غم
رنج و بکا سے ہر ایک دل ہے سنبھالے ہوئے

نوحہ

در حالِ شہادت حضرت علی اصغر علیہ السلام

اصغرِ غنچہ دہاں — بانو کا آرامِ جاں
شاہ کی روحِ رواں — تشنہ لب و بے زباں
ننھا مجاہد شہید، شاہ کا دلبر شہید

آیا جو تیرِ جفا — اپنے گلے پہ سہا
گود میں شبیرؑ کی — خون جو اُگلا کیا
ننھا مجاہد شہید، شاہ کا دلبر شہید

آج شہادت جسے — دشتِ بلا میں ملا
پہلے پہل رن میں جو — گود سے ماں کی چھٹا
ننھا مجاہد شہید، شاہ کا دلبر شہید

شاہ نے روتے ہوئے — خطرۂ اشرار سے
چھوٹی سی کھودی لحد — اپنی ہی تلوار سے
ننھا مجاہد شہید، شاہ کا دلبر شہید

اپنے ہی ہاتھوں سے آہ ——— بیکس و مظلوم نے
چاند کو دفنا دیا ——— سیدِ مغموم نے

ننھا مجاہد شہید، شاہ کا دلبر شہید

روئیں نہ کیوں اہلِ دل ——— سخت ہے یہ واقعہ
روزِ ازل سے کبھی ——— یہ نہ ہوئی تھی جفا

ننھا مجاہد شہید، شاہ کا دلبر شہید

کھود کے قبرِ صغیرؑ ——— لشکرِ کفار نے
کاٹ لیا ننھا سر ——— شمرِ بد اطوار نے

ننھا مجاہد شہید، شاہ کا دلبر شہید

آئے بھلا کیسے چین ——— داغ یہ اصغرؑ کا ہے
ایک ہی صدمہ نہیں ——— غم یہ بہتر کا ہے

ننھا مجاہد شہید، شاہ کا دلبر شہید

ہو نہ سکا فاتحہ ——— رو نہ سکے اہلِ بیتؑ
کیا صفِ ماتم کا ذکر ——— قید ہوئے اہلِ بیتؑ

ننھا مجاہد شہید، شاہ کا دلبر شہید

روئے نہ کیوں محسنؔ ——— خون کے آنسو بھلا
آلِ نبیؐ کے سوا ——— ظلم یہ کس پر ہوا

ننھا مجاہد شہید، شاہ کا دلبر شہید

●

الوداع

اے شیعوں کے مہمان خدا حافظ و ناصر
اے فاطمہ کی جان خدا حافظ و ناصر

فرزند علیؑ سبطِ نبیؐ دلبر زہراؑ
اے دین کے سلطان خدا حافظ و ناصر

جس دن سے قدم آئے تھے ناچیز کے گھر میں
تھی گھر کی عجب شان خدا حافظ و ناصر

رونق تھی میرے گھر میں شہا آپ کے دم سے
اب ہوگا یہ سنسان خدا حافظ و ناصر

افسوس کہ خدمت بھی کوئی کر نہ سکے ہم
ہیں سخت پشیمان خدا حافظ و ناصر

جاتے ہوئے اتنی سی مری عرض ہے مولا
لونڈی کا رہے دھیان خدا حافظ و ناصر

زندہ رہیں سب اگلے برس آپ پھر آئیں
ماتم ہو بصد شان خدا حافظ و ناصر

ہیں جتنے عزادار جو ہیں آپ کے شیدا
ان سب کا ہے دھیان خدا حافظ و ناصر

خوشیاں رہیں ہر گھر میں اسی غم کے تصدق
مشکل بھی ہو آسان خدا حافظ و ناصر

ہو کوئی نہ غم ہم کو بجز آپ کے غم کے
اے سید ذیشان خدا حافظ و ناصر

لونڈی کو ہر اک غم سے بچانا پئے احمدؐ
یہ غم رہے ہر آن خدا حافظ و ناصر

ہے قبر کی تنہائی کا ڈر شاہ شہیداں
ہر دم ہوں پریشان خدا حافظ و ناصر

یہ زیست رہی محسنہ کی وقف غم شاہ
ہو موت بھی آسان خدا حافظ و ناصر

پُرسا

پُرسا دیتے ہیں اہلِ عزا سیّدہؑ — اب مدینہ تو ویران ہوا سیّدہؑ
پیس کر چکی پالا تھا تم نے جسے — اُس سے روضہ تمہارا چھٹا سیّدہؑ
بن میں کربل کے مہماں بُلا کر اُسے — قتل پیاسا کیا بے خطا سیّدہؑ
صبح سے عصر تک ہائے روئے حسینؑ — ظلم کوئی نہ باقی رہا سیّدہؑ
گاہ کڑیل جواں کو اُٹھانے گئے — نورِ آنکھوں کا جاتا رہا سیّدہؑ
گاہ قاسم کی میّت پہ روتے امامؑ — لاشہ پامال رن میں ہوا سیّدہؑ
گر کے عون و محمدؑ نے جب دی صدا — روتے آئے امامِ ہدیٰؑ سیّدہؑ
ہائے دریا پہ عباسؑ مارے گئے — ختم لشکر بھی سب ہوگیا سیّدہؑ
لائے ہاتھوں پہ شبیرؑ ششماہے کو — دیکھی سوکھی زباں سب نے یا سیّدہؑ
رحم لیکن نہ کھایا کسی نے بھی ہائے — مارا بچے کو بھی بے خطا سیّدہؑ
لال آخر تمہارا اکیلا تھا — بوند پانی نہ ہائے دیا سیّدہؑ

تن پہ تیروں کی بوچھار ہوتی رہی — اور نیزے پہ نیزہ پڑا سیدہؑ
شمرِ ظالم نے خنجر سے سوکھا گلا کاٹ کر — نوکِ نیزہ پہ سر کو رکھا سیدہؑ
بیٹیوں کے سروں سے ردائیں چھنیں — آیا بلوے میں کنبہ ترا سیدہؑ
آگ خیموں میں جب بیکسوں کے لگی — سر چھپانے کو گوشہ نہ تھا سیدہؑ
لختِ دل تیرے غربت میں مارے گئے — قبر تک کا نہ تھا آسرا سیدہؑ
بچھ سکی تا بہ زنداں نہ ماتم کی صف — سارا کنبہ رسن میں بندھا سیدہؑ
آج اہلِ عزا کیوں نہ ہوں مضطرب — ہم سے رخصت تمہاری ہے یا سیدہؑ
پُرسا لینے کو بیٹے کا آئی تھیں تم — آج آخر ہے فصلِ عزا سیدہؑ
عرض اپنی کنیزوں کی سن لو ذرا — دست بستہ ہے یہ التجا سیدہؑ
عمر بھر تیرے بچوں کو روئیں مگر — ہم ہوں دنیا کے غم سے رہا سیدہؑ

عرض کرتی ہے یہ محسنہ باادب
آنا بالیں پہ وقتِ قضا سیدہؑ

نوحہ

در حالِ شہادتِ حضرت سکینہؑ

روکر کہا بانو نے میری جان سکینہؑ
زندانِ بلا کر گئیں سنسان سکینہؑ

تم جا کے تو اب خلد میں بابا سے ملو گی
گھر ہو گیا لیکن مرا ویران سکینہؑ

ارمان ملے خاک میں ماں کو کھو چلی کے
صغراؑ سے دعا کر ملیں نادان سکینہؑ

بابا ہی کے غم میں تمہیں موت آگئی بی بی
لو قید سے تو چھٹ گئیں بیجان سکینہؑ

اب چین سے سوئے گا یزیدِ ستم ایجاد
رونے سے تمہارے تھا پریشان سکینہؑ

اصغرؑ کو مری جاں گلے خوب لگانا
فردوس میں جانا جو مری جان سکینہؑ

گر پوچھے گی صغراؑ تو میں کیا جا کے کہوں گی
اتنا تو بتا دو مری نادان سکینہؑ

بس کہہ کے یہ سمجھاؤں گی بہنا کو تمہاری
آباد کیا شام کا زندان سکینہؑ

کس طرح لکھے محسنؔ وہ بین وہ نالے!
ماں کہتی تھی جب رو کے پُر ارمان سکینہؑ

سلام

تو واقفِ مزاجِ مشیت ہے اے حسینؑ
ہر فعل حسبِ مرضیِ قدرت ہے اے حسینؑ

مظلومیت کا تیری زمانہ ہے معترف
ہر دل میں کچھ نہ کچھ تیری الفت ہے اے حسینؑ

دنیا کی نعمتوں کو وہ لذت کہاں نصیب
جیسی کہ تیرے نام میں لذت ہے اے حسینؑ

پوچھے گی بابِ خلد میں جا کر گناہ گار
کیا میرے اشکِ غم کی یہ قیمت ہے اے حسینؑ

حسرت سے دیکھ دیکھ کے زخموں کو فاطمہؑ
فرماتی تھیں یہ کیا تیری حالت ہے اے حسینؑ

میں اٹھ کے تیرے در سے نہ جنت میں جاؤں گی
میرے لئے یہی میری جنت ہے اے حسینؑ

ثنائے حضرتِ زینبؑ

بھلا نہیں سکتے سرور وفائے زینبؑ
زبانِ پنجتن پہ ہے ثنائے حضرتِ زینبؑ

انہیں دہرائے گی تاریخ اسیری تا قیامت
رہِ کوفہ میں جو خطبے سنائے حضرتِ زینبؑ

بر دربار اسیری میں بھی پردہ کا چلن رکھا
کہ تھیں منہ کو بالوں سے چھپائے حضرتِ زینبؑ

حقیقت کھل گئی سب ظاہری اسلام والوں کی
چھنی جب بعد شہ سر سے ردائے حضرتِ زینبؑ

رہی ہر جا ضرورت آپ کی دینِ پیمبر کو
جبھی تو آپ کو شہ ساتھ لائے حضرتِ زینبؑ

بچھائی ماتمی صف آتے ہی زنداں سے باہر
عزائے شاہ بیکس ہے بنائے حضرتِ زینبؑ

چلیں زینبؑ کے وہ نقشِ قدم پہ ہے دعا اب تو
جہاں میں عورتیں جو ہیں فدائے حضرتِ زینبؑ

فریادی نوحہ

"محاذِ حسینی لکھنؤ" کے سلسلے میں جب ہزارہا مومنین جیلوں میں پہنچ چکے تھے اور ہر جگہ مجالس اور ماتم منعقد ہو رہے تھے اُسی زمانے میں محسنہ بیگم مرحومہ کے والد مرحوم سید ظفر عباس علیل تھے مرحومہ نے دو (۲) طویل فریادی نوحہ ملتِ جعفریہ" کی فریاد کے عنوان سے لکھے۔ صرف ایک نوحے کے مقطع میں والد کی صحت کی دُعا مانگی ہے۔ "ذ ش د" اُن کے والد کی عرفیت تھی۔ نوحوں کے چند منتخب اشعار پیش کیے گئے ہیں۔

یا صاحبُ الزماںؑ مری امداد کیجیے — قیدِ غم و ملال سے آزاد کیجیے
مولا غلام آپ کے آفت میں ہیں گھرے — شیعوں کو قید و بند سے آزاد کیجیے
ہم سب پہ ظلم ہوتا ہے اب لیجیے خبر — شیعوں کے دل کو شاد اور آباد کیجیے
ہے آسرا جہاں میں فقط آپ کا حضورؑ — صدقہ حسنؑ حسینؑ کا امداد کیجیے
شیعوں پہ آپ کے ہے تباہی کا سخت دور — مشکل کشائی اب پئے سجادؑ کیجیے
ہوں منتظر میں آپ کی مدت سے یا امامؑ — شیعوں کے حق میں اب تو کچھ ارشاد کیجیے
اسلام کے مٹانے کی کوشش میں ہیں شقی — اعدائے دیں کو آن کے برباد کیجیے۔

کرتی ہے عرض جوڑ کے ہاتھوں کو محسنہ
ان سب کے ساتھ میرا بھی دل شاد کیجئے

یا جنابِ مصطفےٰ شیعہ ہوں جلدی رہا — یا جنابِ مرتضےٰ شیعہ ہوں جلدی رہا
اُمتِ عاصی بہت آپ کی حیران ہے — یا جنابِ سیدہ شیعہ ہوں جلدی رہا
آپ نے جن پر کیا بیٹوں کو اپنے فدا — آج ہیں وہ مبتلا شیعہ ہوں جلدی رہا
آیئے بہرِ مدد معجزہ دکھلایئے — یا حسن مجتبیٰ شیعہ ہوں جلدی رہا
نانا کی اُمت پہ ہے سخت تباہی کا دور — بادشہ کربلا شیعہ ہوں جلدی رہا
بھیجئے عباسؑ کو بہرِ مدد یا حسینؑ — ملتجی ہے محسنہ شیعہ ہوں جلدی رہا
شیعوں کی حالت بہت غیر ہے یا شاہِ دیں — صدقۂ سبطِ نصا کا شیعہ ہوں جلدی رہا
برچھی جگر پر لگی جس مہِ انور کے آہ! — واسطہ اس ماہ کا شیعہ ہوں جلدی رہا

محسنہ کی عرض کو سن لو مرے شاہِ دیں
کرتی ہوں رو کر دعا شیعہ ہوں جلدی رہا

قصیدہ

در مدح حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام

تھی وابستہ جو اپنی زندگانی حبِ حیدر سے
رجب کی تیرہویں امسال پھر رکھتی مقدر سے

مچی ہے دھوم کعبہ میں کہ آتا ہے ولی حق
ہوئی ہے زینتِ ایوان باری پھر نئے سر سے

گئیں جب فاطمہ بنتِ اسد کعبے کی جانب کو
حرم تھا بند تو داخل ہوئیں بی بی نئے در سے

نہ کیوں دیوار شق ہوتی نہ کیوں بت منہ کے بل گرتے
صدا لے یا علی آتی تھی ہر دیوار سے در سے

ملا جبریل کو استاد اور بھائی محمد کو
ہوئیں مشکل کشا ہاتھ آگیا اپنے مقدر سے

مبارک فاطمہ بنتِ اسد یہ چاند سا بچہ
تمہیں بیٹا ملا ہے ہادی ملا اللہ کے گھر سے

مبارک ہو رسولِ حق تمہیں داماد اور بھائی
کہ عقدِ فاطمہ مرضی رب سے ہوگا حیدر سے

ہوئے پیدا علی کعبہ میں خوش ہوں کیوں نہ مسکین
یہ شہرِ علم کے در ہیں حدیثیں ہیں پیمبر سے

پدر گیارہ اماموں کے ہیں کفو فاطمہ زہرا
دیئے بیٹے انہیں اللہ نے شبیر و شبر سے

وصی مصطفےٰ حقا ہیں یہ پہلے امام اپنے
ہوا معلوم ہے ہم کو فرمانِ داور سے

شجاعت کا بیاں کروں یہ غیر ممکن ہے
سنا ہے آپ گہوارے میں کھیلے کھیل اژدر سے

نہ ہوتے گر علی اسلام مٹ جاتا بلا شک یہ
سنا ہے بارہا ہم نے صحابہ نے پیمبر سے

علی کی مدح خوانی میں کروں ہرگز نہیں ممکن
یہ آوازِ عقیدت آرہی ہے حبِ حیدر سے

علی کے مرتبے خدا جانے یا مصطفےٰ جانے
سنے ارشاد تو ہم نے یہی اکثر پیمبر سے

مبارک مومنو تم کو نصیری کا خدا آیا
ہوئے خاموش ہم کچھ کہہ نہیں سکتے ہیں ڈر سے

مبارکباد کہہ کر محسنہ لائی زہے قسمت
سندِ بخشش کی لے انعام میں چل کر پیمبر سے

شبِ معراج

کیوں منوّر ہوئی جاتی ہے فضا آج کی رات
کیا کوئی نور ہوا جلوہ نما آج کی رات

آج کی رات نہ ہو کس لئے صد رشکِ سحر
حق کا محبوب سرِ عرش گیا آج کی رات

بہرِ تعظیم ملائک ہوئے سب استادہ
گوشہ گوشہ سرِ افلاک سجا آج کی رات

کس کے پہلو میں نبیؐ سے ہوئیں حق کی باتیں
ہاتھ پردے سے عیاں کس کا ہوا آج کی رات

مل گئے طالب و مطلوب سرِ عرشِ بریں
حسن اور عشق میں پردہ نہ رہا آج کی رات

کیا ضیا بار ملاقات تھی اے صلِّ علیٰ
نور میں ڈوب گئے ارض و سما آج کی رات

یہ وہاں پہنچے ملائک بھی نہ پہنچے جس جا
راز انساں کی عظمت کا کھلا آج کی رات

اپنے قدموں سے محمدؐ نے عطا کی جنت
عرش در اصل بنا عرشِ علا آج کی رات

ساز سے دل کے نہ کیوں اٹھیں خوشی کے نغمے
کیوں نہ ایماں کو ہو ہر اک کے بھلا آج کی رات

قصیدہ

در مدح صدیقۂ طاہرہ صلوٰۃ اللہ علیہا

بالائے عرش حق ہے ثنا خوانِ فاطمہؑ
کس سے بیاں ہو مرتبہ و شانِ فاطمہؑ

دُنیا کا سب ہے آب و نمک اُن کے مہر میں
اہلِ جہاں تمام ہیں مہمانِ فاطمہؑ

گویا یہ ابرِ رحمت ربِّ کریم ہے
کس سے رقم ہو وسعتِ دامانِ فاطمہؑ

کرتا نہ خلق حیدرِ صفدر کو حق اگر
ہوتا نہ کوئی خلق میں ہم شانِ فاطمہؑ

رفعت مکانِ پاک کی کس سے بیاں ہو
عرشِ بریں ہے زینۂ ایوانِ فاطمہؑ

اولادِ اُن کی رونقِ گلزارِ خلد ہے
زینت بہشت کی ہے گلستانِ فاطمہؑ

حوریں اگر کنیز تو غلماں غلام ہیں
مریم سے بھی بڑھی ہوئی ہے شانِ فاطمہؑ

حق نے عروج اِن کی ولا سے دیا اُنہیں
ہر ایک ملک ہے بندۂ احسانِ فاطمہؑ

آرامِ قلبِ پاک ہیں سبطین مصطفےٰؐ
یہ روحِ فاطمہؑ ہیں تو وہ جانِ فاطمہؑ

دنیا و آخرت میں ہیں ان کی حکومتیں
دونوں جہاں ہیں تابعِ فرمانِ فاطمہؑ

حاجت نہیں چراغ کی اس بزمِ پاک میں
نورِ خدا ہے شمعِ شبستانِ فاطمہؑ

روشن گھر اُن کا نورِ حسینؑ و حسنؑ سے تھا
تھے دونوں لالِ نیّرِ تابانِ فاطمہؑ

مثلِ بہشت گلشنِ ایجاد بس گیا
پھیلی جو نکہتِ گُل و ریحانِ فاطمہؑ

ان کی ولا سے رُتبۂ اعلیٰ انھیں ملا
کُل انبیائے پاک ہیں قربانِ فاطمہؑ

کلکِ رستم کو روک لے اے محسنؔ خموش
سمجھے گی کیا تو مرتبہ و شانِ فاطمہؑ

قصیدہ

در مدحِ جنابِ فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا

یہ ہے جشنِ تولدِ حضرتِ خاتونِ محشر کا
جنابِ عرش سے رتبہ سوا ہے جن کی چادر کا

رسالت سرپرست ان کی امامت ان کی آغوشیں
جسے شاہِ ولایت کہتے ہیں وہ تاج ہے سر کا

ثمر نخلِ نبوت کا شجر باغِ رسالت کا
ہدایت اس کا ورثہ ہے امامت اس کا گھر کا

پسر شبیر و شبر سے تو مادر ہے خدیجہ کی
پدر کا نام احمد ہے لقب حیدر ہے شوہر کا

نہ ہوتیں فاطمہ زہرا سیادت مٹ گئی ہوتی
یہ وہ بیٹی ہے جس سے نام باقی ہے پیمبر کا

وہ زہرا فاطمہ صدیقۂ کبریٰ لقب جس کا
وہ زہرا سایۂ رحمت لقب ہے جس کی چادر کا

وہ زہرا جس کے بیٹے عرشِ اعظم کے ہیں آئینے
وہ زہرا جس کا شوہر ہے شہرِ علم و در کا

وہ زہرا جس کے دو بیٹے سوارِ دوشِ احمد ہیں
وہ زہرا جس کا شوہر ہے کنندہ بابِ خیبر کا

وہ زہرا جو مکمل خلقِ احمد کا نمونہ ہے
وہ زہرا سر بسر آئینہ جو شانِ پیمبر کا

نہ ہوتا اور اگر کچھ بھی تو کیا یہ فخر کچھ کم تھا
انہیں رتبہ ملا شبیر سے انساں کی مادر کا

تمنا محسنؔ کی ہے کہ جب ہیں حشر میں اٹھوں
ہو میرے ہاتھ میں گوشہ کوئی زہرا کی چادر کا

قصیدہ

در مدح حضرت امام حسن علیہ السلام

نیمہ ماہ مبارک ہیں علی کا دلدار
صورتِ آیۂ قرآں نازل ہوا اک بار

سن کے مسجد میں نواسے کی ولادت کی خبر
کھل گیا گل کی طرح قلبِ رسولِ مختار

شوقِ دیدار میں بیٹی کے گھر آئے حضرت
برجِ عصمت میں ہوا مہرِ نبوت کو قرار

ہنس کے فرزند کو اسماء سے طلب فرمایا
چومی پیشانیِ پرنور کبھی گہہ رخسار

جوشِ الفت میں جو ہیں ہاتھ پیمبر کے بڑھے
مسکراتا ہوا آغوش میں آیا دلدار

لختِ دل گود میں آیا کہ ضیا آنکھوں میں
قلب کو چین ملا اور دلِ مضطر کو قرار

لیجئے عرش سے وہ روح امیں لے کے چلے
تحفۂ تہنیتِ خاص جنابِ غفار

حلۂ جنت کے لئے خازنِ جنت حاضر
بہرِ آداب ہے خم حور و ملائک کی قطار

حسنؑ سبز قبا نام ہے شبرؑ ہے خطاب
شافعِ حشر جوانانِ جناں کا سردار

ہے اب و جد کا اثر شکل و شمائل سے عیاں
چشمِ شبر کی صورت ہیں رسولِ مختارؐ

جانِ امت ہو گلِ باغِ نبی پر صدقے
جس کی خوشبو سے مہکتے ہیں جہاں کے گلزار

ناخدا خلق میں پیدا ہوا مصلح بن کر
کشتیِ امتِ عاصی کا ہو بیڑا پار

صلح جو آپ کی فطرت ہے تو صالح ہے لقب
کر رہیں امن میں دشمن کی جفا سے دیندار

جوش میں آ کے کہیں صلِ علیٰ حاضرِ بزم
کر دعا محسنؔ کہ ہو جائے نہ طولِ گفتار

حشر میں آپ کے دامن کا ہو سایہ سر پر
دیکھے عاصی نہ کبھی حشر میں بھی شعلۂ نار

قصیدہ

در مدح حضرت امام حسین علیہ السلام

طلوعِ صبح سے عالم کا ہر ذرہ درخشاں ہے
کہ ظہورِ نور سے پُر نور صحرا اور بیاباں ہے

یہ کس کی آمد آمد ہے کہ عالم میں چراغاں ہے
یہ کس کے نور سے مہرِ منور بھی پشیماں ہے

ہنسے دیتی ہیں کلیاں اور پھیلائے ہیں گل دامن
خوشی سے ہے عجب عالم کہ حیراں عقلِ انساں ہے

مناتے ہیں عید اہلِ ولا جوشِ مسرت میں
عدو سے کینہ جو مضطر ہے حیراں ہے پریشاں ہے

زمیں ہے گلشنِ جنت، گلِ زہراؑ کے کھلنے سے
کہ آئی تیسری شعبان ہر وادی گلستاں ہے

نظر پڑتی ہے جس کی چوم لیتا ہے مسرت میں
کنارِ فاطمہؑ میں کوئی بچہ ہے کہ قرآں ہے

ملائک صف بصف آئے لبا ں پر فاتحہ پڑھنے
برائے تہنیت حاضر در حیدر پہ رضواں ہے
کسی کو پَر ملے تجھ سے کسی نے پائے ہیں بیٹے
بشر ہو یا ملک ہر اِک تیرا ممنونِ احسان ہے

کہاں ہے ساقیا اب تو پلا دے تیسرا ساغر
خبر سن کر ولادت کی دلِ ہر رند شاداں ہے
تیرا ساغر تیری مے ہو تیرے ہاتھوں سے مل جائے
بس اتنی دل کی حسرت ہے بس اتنا دل کا ارماں ہے

علی خوش ہیں نبی خوش ہیں جناب سیّدہ خوش ہیں
سہلا پاکے بخشش کا دلِ راقم بھی شاداں ہے
الٰہی واسطہ اب پنجتن کا دیتی ہوں تجھ کو
دلِ مومن رہے شاداں وہ جیسے آج شاداں ہے

غمِ سرور سے ہر دل کو تو یارب بخش دے زینت
نہ کوئی غم ہو دنیا کا یہی اب ارماں ہے
میرے بچوں کو اِس مولود کے صدقے میں اے مالک
عطا کر اُلفتِ حیدر جو اصلِ دین و ایماں ہے

عطا کر عقل اور علم تمدن دولت و حشمت
بنا کر ان کو دولہا دیکھ لوں یہ میرا ارماں ہے
متاعِ علم و حکمت دے عطا کر عمرِ طولانی
یہی ہے مدعا اور وصیت کا یہ میرے ارماں ہے
رہے خوش صحت اور ہو فشارِ قبر بھی آساں
رہے پہرہ قیامت میں میرا یارب یہ ارماں ہے

قصیدہ

در مدح حضرت امام حسین علیہ السلام

تہش صبر کا اے ضبط کے خوگر دکھا دینا
ثبات نفس کے جوہر تہہ خنجر دکھا دینا

جہاں میں نقش ہستی کی طرح مٹ کر بتلا دیتے ہیں
فنا ہو کر بقاء نفس کے جوہر دکھا دینا

وفا کرتے ہیں کیوں کر عہد کو اے ہمت عالی
زمین امتحاں پر خاک میں مل کر دکھا دینا

مٹا جاتا ہے نقش یاد رہبر صفحۂ دل سے
پرامت کو نشان شان پیغمبر دکھا دینا

ترے اعجاز پر موقوف ہے ہستی شریعت کی
جلا کر دین مردہ قدرت داور دکھا دینا

زمیں پر رہ کے کیا کھایا جہاں میں رہ کے کیا پہنا
عبائے کہنہ اور نان جویں لے کر دکھا دینا

کرے گا دستِ قدرت خود رفو اب چاک داماں کا
مٹے جیوں پارۂ دل جس میں وہ چادر دکھا دینا

ملیں کیا تشنگی میں لذتیں ساحل پہ دریا کے
مزہ تشنہ دہانی کا لبِ کوثر دکھا دینا

بپا ہے بزمِ میلادِ حسینؑ ابنِ علی گھر گھر
ہنر اے محشرؔ تم بھی سرِ منبر دکھا دینا

قلم وقتِ ثنا ہے اپنا کچھ جوہر دکھا دینا
ثنا میں اس کے تم بھی لکھ کے اک دفتر دکھا دینا

علی کے گھر میں فرزندِ پیمبر کی ولادت ہے
مبارکباد کی یہ شان تم لکھ کر دکھا دینا

جو یہ آغوش میں تارہ سلائے زہرہ چمکتا ہے
فدا ہوں میں مجھے بھی یہ بلند اختر دکھا دینا

نہاں ہے زیرِ دامن لختِ دل پہلو میں زہرا کے
صبا تو ہی ہٹا کر گوشۂ چادر دکھا دینا

عیاں ہے سب بزرگوں کی شباہت روئے انور سے
یہ بھولی بھالی صورت ہم کو جی بھر کر دکھا دینا

مبارک تجھ کو اے کعبہ ملا سرکار سے خلعت
مگر رضواں کو بھی یہ حلۂ پر زر دکھا دینا

تمہاری فردِ عصیاں کو ملک جب آ کے دکھلائیں
قصیدہ محشرؔ اپنا سرِ محشر دکھا دینا

قصیدہ

در مدح حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

سپیدی صبح کی یوں ڈوبتے تاروں تک آپہونچی
کہ جیسے سیلِ دریا بڑھ کے انگاروں تک آپہونچی

شہ زین العبا کے رُخ کی ضو تاروں تک آپہونچی
ولادت کی خبر فرقت کے بیماروں تک آپہونچی

وہ تھی ماہ ششم کی پندرہ اور دن تھا ہفتہ کا
یہ روح افزا خبر جس وقت دینداروں تک آپہونچی

طلائی ایک جدول سی کھنچی صحنِ گلستاں میں
سُنہری دھوپ جب گلشن کی دیواروں تک آپہونچی

فق کا عکس سورج کی کرن سے مل گیا آخر
خونی نہر بڑھتے بڑھتے تلواروں تک آ پہونچی

جسے اے چوتھے ساقی میرے خود حیدرؑ پلاتے تھے
کشش سے دل کی وہ مے تیرے میخواروں تک آ پہونچی

انگوٹھا جب چبایا اژدرِ شیطاں نے مسجد میں
تو اِس ظلمِ صریح کی خبر تاروں تک آ پہونچی

شہابِ ثاقب اِس ملعون پر اک چرخ سے ٹوٹا
کہ جس کی روشنی مسجد کی دیواروں تک آ پہونچی

یہ جب دیکھا تو پہلے چھپ گیا وہ اور پھر بھاگا
جھلک اُس دم خوشی کی شہ کے رخساروں تک آ پہونچی

کیا جب معجزے سے سنگِ اسود نصب کعبہ میں !
تو دل کی ضو خوشی سے شہ کے رخساروں تک آ پہونچی

قصیدہ

در مدح حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

نورِ الفت سے جو روشن خانۂ دل ہو گیا
کیا کعبہ عرشِ اعظم کے مقابل ہو گیا

حسنِ حسین کے رخِ روشن کے مقابل ہو گیا
ماہِ نو پہلی رجب کا ماہِ کامل ہو گیا

عاشقِ صادق اسی کو کہتے ہیں اہلِ خرد
حسنِ باطن پر کسی کے دل جو مائل ہو گیا

حور و غلماں و ملائک تابعِ فرماں ہوئے
نورِ عصمت اُن کی خلقت میں جو شامل ہو گیا

دیکھ کر شانِ نبیؐ جابر تصدق ہو گئے
مدتوں سے جس کے جویا تھے وہ حاصل ہو گیا

سکۂ اسلام رائج کر دیا تدبیر سے
حد یہ ہے عبد الملک حضرت کا قائل ہو گیا

اہلِ مدین کو دکھانا تھا نمونہ قہر کا
کوئی غش کھا کر گرا اور کوئی بسمل ہو گیا

ہو گیا خاموش راہب دیکھ کر شانِ امام
سامنے موسیٰ کے گویا سحر باطل ہو گیا!

حسب مرضی پا کے برجستہ سوالوں کے جواب
کلمۂ توحید پڑھ کر دیں میں شامل ہو گیا

ہجر میں مدت سے تھا بیمار عیسیٰ بیقرار
مل گیا رشکِ مسیحا درد زائل ہو گیا

تھی امامت اور نبوت میں نہ شکلِ امتیاز
وحی کا انداز باہم حد فاصل ہو گیا

قصیدہ

در مدح حضرت امام علی رضا علیہ السلام

تماشا ضبط کا اے دل دکھا تا زخم خنداں سے ۔۔۔ کہ لذت مل رہی ہے دل کو کاوش ہائے پیکاں سے

ستا لے چرخ فتنہ جو جہاں تک تیرا جی چاہے ۔۔۔ کہ خالی کر چکی ہے یاس میرے دل کو ارماں سے

متاع شوق پھونکا آتش حرماں نصیبی نے ۔۔۔ دھواں لپٹا ہوا آئے نہ کیسے آہ سوزاں سے

خبر لینا دل مضطر کی اے تاب شکیبائی ۔۔۔ ارادہ ہے کہ گزریں آج ہم بھی کوئے جاناں سے

مسیحائی کا دعویٰ چارہ سازو دور ہی رکھو ۔۔۔ بچا سکتے ہو میری جان عشق فتنہ ساماں سے

جبیں پر جس کی قسمت کے ہوں ناکامی کی تحریریں ۔۔۔ بچا سکتا ہے اس کو کون یاس و رنج و حرماں سے

سنبھل اے چرخ دوں پرور بہت تو نے ستایا ہے ۔۔۔ کروں گی تیرا شکوہ جا کے میں شاہ خراساں سے

وہ شاہ دین و دنیا ہے امام شامن و ضامن ۔۔۔ امامت جس کی ثابت ہوتی ہے آیات قرآں سے

نبی کا جان و دل چشم و چراغ حیدر و زہرا ۔۔۔ خمیدہ پشت دین مصطفیٰ ہے جس کے احساں سے

غلام اس کے نظر میں لائیں کیا اورنگ شاہی کو ۔۔۔ کہ رتبہ میں کہیں افزوں ہیں وہ کسریٰ و خاقاں سے

مقدس اس کا مشہد اور مبارک اس کا مرقد ہے ۔۔۔ کہ سرحد مل رہی ہے اس کی جا کے باغ رضواں سے

شفائے ہر مرض ہے ذرہ ذرہ ارض مشہد کا ۔۔۔ یہیں آ کر شفا پاتا ہے مومن درد عصیاں سے

در شاہ خراساں پر جسے سجدہ میسر ہو ۔۔۔ اسے پھر خوف کیا باقی رہا اغوائے شیطاں سے

الٰہی روضۂ انور پہ مجھ کو جلد پہنچا دے

کہ دل اکتا گیا ہے گردش گردون دوراں سے

قصیدہ

در مدح حضرت امام محمد تقی علیہ السلام

بہار آئی گھٹا اٹھی ہواؤں کا اثر بدلا
کھلے گل کونپلیں پھوٹیں ہرا ہے ہر شجر بدلا

بنے ذرّے سب انجم اور حباب بحر تارے
زمانے کی روش بدلی نظامِ خشک و تر بدلا

اُگا یوں ہر طرف سبزہ کہ کھیتی ہو گئی دھانی
شفق یوں چرخ پر پھولی کہ رنگِ بام و در بدلا

عمل ایسا کیا زورِ نمو نے اپنا دنیا میں
طیورِ گلستاں کا صاف رنگِ بال و پر بدلا

رگوں میں خون دوڑا رخ پہ آئی دفعتاً سرخی
سکوں سے ہر مریضِ ہجر کا دردِ جگر بدلا

خوشی دل کو ہوئی حاصل بڑھی قوت نگاہوں کی
زمانہ معتدل آیا مزاجِ ہر بشر بدلا

جنہیں کل زیست تھی دوبھر وہ اب جینے پہ تُلے ہیں
ارادہ جو کیا تھا شب کو وہ وقتِ سحر بدلا

چلے ذرّے زمیں کے اُڑ کے موجوں سے گلے ملنے
جہاں کی رُت بدلتے ہی نظامِ بحر و بر بدلا

درِ گلشن پہ آ کر کیوں رکی نکہت گلستاں کی
نہیں معلوم بوئے گل نے کیوں قصدِ سفر بدلا

نگاہیں [illegible] کیوں ایک جانب سب کی لگی ہیں
یہ کس ابرو کشیدہ نے رخِ تیرِ نظر بدلا

دہم ماہِ رجب کو کون آیا یہ زمانے میں
یہ کس کی ضو سے شرما کر رخِ شمس و قمر بدلا

محمدؐ اور تقیؑ دو جز ہیں جس کے نامِ نامی کے
ولادت سے اسی کی بس جہاں یہ سر بسر بدلا

نواں ہادی تواں رہبر ہمارا ہے وہی بے شک
کہ جس کے نور کے جلووں سے گلشن دشت وہ بدلا

قصیدہ

در مدح حضرت امام علی نقی علیہ السلام

نئی زمیں ہے نیا آسماں خدا کی قسم
بدل گیا ہے یہ رنگِ جہاں خدا کی قسم

شمیم آئی ہے جنت سے سب مہکتے ہیں
نسیم لائی ہے عطرِ جناں خدا کی قسم

ہے رشک حوروں کو اہلِ زمینِ خاکی پہ
یہ آج ہو گئی رشکِ جناں خدا کی قسم

ہے آج کس لئے ہم سب پہ یہ انبساط و سرور
کوئی تو رمز ہے اس میں نہاں خدا کی قسم

بغیر وجہ نہیں یہ سرور اے ساقی
پلائے جامِ ولا آ یہاں خدا کی قسم

خوشی ہماری مودت پہ ساری ہے موقوف
یہ ہے کتابِ خدا کا بیاں خدا کی قسم

کلام حضرتِ ختمی مآب سے ہے سنا
ہیں مجھ میں بارہ محمد نہاں خدا کی قسم

کسی بھی ایک محمد کے گر نہ قائل ہو
تو پھر نصیب نہ ہوگی جناں خدا کی قسم

کلامِ خالقِ باری گواہ ہے اس پر
ہر ایک ان میں ہے شاہِ زماں خدا کی قسم

مبارک آپ کو شیعو آج آتا ہے
انہیں سے دسواں محمد یہاں خدا کی قسم

علی کے جانشیں حضرت نقی کے لختِ جگر
رضا غریب کے روحِ رواں خدا کی قسم

مبارک آپ کو حضرت سمانہ خاتون
پسر ہے آپ کا فخرِ زماں خدا کی قسم

پسر ہے گود میں حضرت نقی بھی خوش ہیں بہت
ہے انبساط میں کون و مکاں خدا کی قسم

نقی مبارک ہو آپ کو یہ پسر
ہے بار بار یہ وردِ زباں خدا کی قسم

ہے عرض محسنِ ناچیز کی یہ حضرت سے
کہیں یہ آپ کہ ہے مدح خواں خدا کی قسم

قصیدہ

در مدح امام حسن عسکری علیہ السلام

جانشیں حضرت نقیؑ کے عسکریؑ پیدا ہوئے
گیارہویں ہادی برائے رہبری پیدا ہوئے

دلبر زہراؑ کے اور علیؑ کے جانشیں
فخر آدمؑ روح عالم عسکری پیدا ہوئے

آ گئے حضرت علیؑ کے گھر میں ثانی حسنؑ
رشکِ جنت ہے مدینہ عسکری پیدا ہوئے

روح زہراؑ جانِ حیدرؑ وارثِ علم نبیؐ
لے کے ساری شان و شوکت حیدری پیدا ہوئے

شکل و صورت میں محمدؐ نام گو پایا حسنؑ
وارثِ صبر حسینیؑ عسکری پیدا ہوئے

شانِ طاعت میں ہوں جیسے حضرت زین العباؑ
لے کے سب علم لدنی باقری پیدا ہوئے

صدق میں جیسے ہوں صادق جعفرِ عالی حشم
ضبطِ غم میں مثلِ کاظمؑ عسکری پیدا ہوئے

ذوقِ طاعت میں رضاؑ ہیں زہد و تقویٰ میں تقیؑ
مثلِ احمدؐ راز دار داوری پیدا ہوئے

ہیں سخا و جود میں مثلِ نقیؑ، فخر خلیل
وارث گنجینۂ پیغمبری پیدا ہوئے

باپ دادا بھی پسر بھی اور خود بھی ہیں امام
منزلت کی فوج لے کر عسکریؑ پیدا ہوئے

قائمؑ آل محمدؐ کے پدر ہیں لا کلام!
لے کے حق سے دو جہاں کی افسری پیدا ہوئے

بخشش عصیاں کا ساماں بن کے آئے ہیں حضورؑ
لے کے حضرت حشر کی بھی سروری پیدا ہوئے

حضرت سوسنؑ بھی خوش ہیں اور علیؑ بھی شادماں
محسنؔ بھی آج خوش ہے عسکری پیدا ہوئے

قصیدہ

در مدح حضرت ولی عصر علیہ السلام

خدا رکھے جب آ کے تو عالم دوسرا ہوگا
نقاب رخ الٹ دو گے تو اک محشر بپا ہوگا

تمنائیں جو بر آئیں گی ہم سب جاں نثاروں کی
نہ کوئی مضطرب ہوگا نہ کوئی بے نوا ہوگا

جبیں پر نور اور تاجِ امامت فرقِ اقدس پہ
بھرے دربار میں آقا میرا فرماں روا ہوگا

طلب ہر ظالم و مظلوم کی ہوگی عدالت میں
بندھے ہاتھوں جھکائے سر اک اک اہلِ جفا ہوگا

بصد شانِ امامت نامۂ اعمال دیکھیں گے
چلن جو جس کا تھا اُس طرح سے پھر فیصلہ ہوگا

نشانِ لشکرِ اسلام ہوگا ایک مٹھی میں
علی کی تیغ کے قبضے پہ پنجہ دوسرا ہوگا

دکھائیں گے ہنر پھر رزم گہ میں اپنے دادا کے
بھلا ان کے مقابل جنگ میں کیا دوسرا ہوگا

علی کی تیغ سے دشمن پہنچ جائیں گے دوزخ میں
زمیں سے عرش تک اس جنگ کا شہرہ مچا ہوگا

اگر عیسیٰ گردوں بھی آئیں گے زیارت کو
جلو میں ابنِ مریم کے ہجومِ انبیا ہوگا

امامت اور رسالت ایک جا اب جلوہ افگن ہے
یہ کہہ کر قدسیوں میں نعرۂ صلِ علیٰ ہوگا

نمازی صف بصف آئیں گے پے در پے جماعت میں
بنے گا پیشوا اب کون ہر ایک دیکھتا ہوگا

میرا معجز نما آقا یہ فرمائے گا عیسیٰ سے
کروں سبقت بزرگوں پر یہ کب مجھ سے بھلا ہوگا

یہ سن کر حضرتِ عیسیٰ تبسم کر کے کہہ دیں گے
امام وقت سے بہتر کوئی کب پیشوا ہوگا

غرض آقا میرا اُس وقت شاہ اوصیا ہوگا
کہ عیسیٰ ابنِ مریم کا بھی یہ ہی مقتدا ہوگا

میرے ایمان کی تصدیق کر دے گا میرا ہادی
عریضہ خدمتِ عالی میں جب حاضر میرا ہوگا

تمنائیں دلوں کی سب کی سنتے جاتے ہیں مولا
دمِ مرگ آپ ہی کا خستہ کو آسرا ہوگا

قصیدہ

در مدح حضرت حجّت علیہ السلام

دیکھئے ہوتا ہے کب تشریف لانا آپ کا
منتظر ہے دید کا یاں اک زمانہ آپ کا

آپ کی آمد سے پہلے ایک محشر ہے بپا
کیا قیامت خیز ہے تشریف لانا آپ کا

جس کو دیکھو وہ جمالِ دید کا مشتاق ہے
مصلحت ہے کیا خدا کی اب چھپانا آپ کا

دیدہ و دل فرش ہیں نظریں ہیں کعبے کی طرف
دیکھئے ہیں راہ کب ہوتا ہے آنا آپ کا

آرہے ہیں آرہے ہیں یہ ترانہ ہے یہاں
ہو نہیں سکتا کسی طرح بھی آنا آپ کا

اب نہیں آتے تو ساعت آنے کی معلوم ہو
باعثِ تسکین ہو آنا بتانا آپ کا

ہیں یہ مجبوریں مل گیا مجھ کو مرے دل کا سکوں
گر ملے مجھ کو کہیں دامن پرانا آپ کا

درد کا درماں ملے اکسیر ہر امراض کی
پردۂ غیبت اُٹھے اور ہو زمانہ آپ کا

خواب ہی میں اک ذرا تسکیں ہمیں دیجئے
گر ابھی ممکن نہیں ظاہر میں آنا آپ کا

ہیں پسر مشکل کشا کے آپ اے ابنِ امام
کام ہر مشکل کو ہے آساں بنانا آپ کا

لے میرے معجز نما اعجاز یہ ادنیٰ سا ہے
چاہنے والوں کو سامرہ بلانا آپ کا

لکھ کے عرضی سوئے دریا لے چلی ہو طاہرہ
خوش نصیبی ہے میری اس خط کو پانا آپ کا

زندگی بھر محسنہ جذبِ عبادت بجا لانے کر!
بس یونہی دہراتے جائے گی فسانہ آپ کا

لاکھوں سلام

شافعِ روزِ محشر پہ لاکھوں سلام ساقیٔ حوضِ کوثر پہ لاکھوں سلام
ہو درود اب کنیزوں کا شہزادی پہ یعنی احمدؐ کی دختر پہ لاکھوں سلام
پہنچے سردارِ جنت پہ لاکھوں درود حضرتِ سبط اکبرؑ پہ لاکھوں سلام
بعد اس کے کہیں مل کے شیعہ تمام پہنچیں سبطِ پیمبرؐ پہ لاکھوں سلام
اے جگر بندِ زہراؑ کے، زین العباؑ شہربانو کے دلبر پہ لاکھوں سلام
باقرؑ علم داور محمدؐ کی جاں پانچویں میرے رہبر پہ لاکھوں سلام
ابنِ باقرؑ لقب جن کا صادقؑ ہوا بھیجتی ہوں میں جعفرؑ پہ لاکھوں سلام
ساتویں اپنے رہبر جو موسیٰؑ ہوئے کاظمؑ آلِ اطہر پہ لاکھوں سلام
ابنِ موسیٰؑ ہیں والیٔ ملکِ عجم فخرِ موسیٰؑ کے دلبر پہ لاکھوں سلام
نام جن کا محمدؐ ہے ابنِ رضاؑ اس محمدؐ کے دلبر پہ لاکھوں سلام
اسم بابا علیؑ کا لقب ہے نقیؑ اس جگر بندِ حیدرؑ پہ لاکھوں سلام
گیارہویں مقتدا ہیں حسن عسکریؑ کہیے ہم نامِ شبرؑ پہ لاکھوں سلام
السلام اے جگر گوشۂ عسکریؑ مہدیٔ دین داور پہ لاکھوں سلام

محسنہ کیا ہے، کرتے ہیں سب انبیاءؑ
چودہ معصوم کے در پہ لاکھوں سلام

نظمِ دعائیہ

بہ سلسلۂ تقریبِ سعید سالگرہ نورِ بصر خلفِ اکبر سید محسن اختر سید نقوی

*

مورخہ ۱۹ر جمادی الثانی مطابق ۲۱ر جنوری ۱۹۵۰ء

شکر صد شکر کروں تیرا میں ربِ اکبر
تیرے احسان کے سائے میں چھپا ہے میرا گھر

تیرے احساں کا احاطہ نہیں ممکن مجھ سے
تیری رحمت کی گھٹا چھائی ہے ہر دم مجھ پر

جب بھی مانگی کوئی شے مل گئی بس منہ مانگی
تیرے دربار سے حاصل ہوئے لعل و گہر

ہیں وسیلے تیرے دربار میں آنے کے لئے
احمدؐ و حیدرؑ و زہراؑ و حسینؑ و شبرؑ

واسطہ ان کا ہو ہو جائے زمانہ اپنا
گر سفارش کریں یہ آلِ محمدؐ مل کر

اسی دربار سے ملتی ہیں مرادیں سب کی
تیری نظروں میں غنی اور گدا ہے ہم سر

التجائیں میری اب یہ ہیں تیرے در پہ کریم
کرتی رہتی ہوں دعائیں یہی اکثر

بچے سب مومنوں کے ہوں حمیدہ اطوار
علم حاصل کریں بن جائیں جہاں کے اختر

بچیاں مغربی تقلید سے محفوظ رہیں ہے بس سایہ فگن چادر زہرا سر پہ
فقر و فاقہ سے بچیں دین کی دولت مل جائے عز و اقبال کرے کنیزی ان کے در پہ
جملہ آفات سے سب اہل ولا دور رہیں حسد و رشک نہ پاس آئے ہمارے بڑھ کر
شکر اس روز کا جو تو نے دکھایا مجھ کو میرے احباب و اعزا ہوئے یکجا یاں پہ
یا خدا شاد رہیں میرے گھر آنے والے آئیں اک روز یہ شادی کے مہماں بن کر
لاکھوں ہوں سالگرہ دل کی تمنا بر آئے دھوم شادی کی ہو اور سہرا بندھا ہو سر پہ
عز و اقبال بڑھے ہوں یہ عالی درجات حسن و اخلاق میں یکتا ہوں یہ بہر شبر
راہِ بد کی انھیں ترغیب نہ دے ان کا ضمیر ہر برائی سے رہیں دور یہ ربِ اکبر
راہ ہدایت کی بس ایمان کی تنویر رہے لب پہ ہو ذکر خدا دل میں ہو حبِ حیدر
مثلِ خورشید ضیا بار رہے میرا اختر محسن قوم و زمانہ ہو یہ محسن اختر

محسنہ شکر کرو خالقِ کونین کا اب
ختم ہے آج کی یہ بزم دعا کے اوپر

مجلس

ذاکرہ اہل بیت محسنہ بیگم مرحومہ نے یہ مجلس حضرت زینبؑ کی شہادت کے موقع پر زینبیہ گرلز اسکول مولوی گنج لکھنؤ میں پڑھی تھی۔ آج سے تقریباً پندرہ سال پہلے۔

قَالَ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاطمۃُ بضعۃٌ منّی مَن اذٰھا فقد اذانی

شفیع روز جزا جناب محمد مصطفٰےؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ فاطمہؑ میرا ٹکڑا ہے ایک دل کا جس نے اُس کو اذیت دی اُس نے مجھ کو اذیت دی اُس نے مجھ کو اذیت دی۔ جس نے مجھ کو اذیت دی۔ اُس نے خدا کو اذیت دی اور خدا کو اذیت دینے والا کافر و مشرک ہے۔ جس نے مجھے اور میری ذریت کو دوست گردانا کہ ذریت میری فاطمہ اور اُس کی آلِ پاک ہے، اُس نے خدا کو دوست رکھا اور جس نے خُدا کو دوست رکھا میں بروزِ حشر اُس کا شفیع ہوں گا۔

کیا کہنا ہے رسولِ پاک کی بلاغت کا۔ ان مختصر الفاظ میں ایک معانی کا دفتر پوشیدہ ہے اگر غور کیجئے تو واقعہ خم غدیر پر عمل کر کے رسول نے اپنی بیٹی کو وہ درجہ دے دیا ہے کہ جہاں عالم کی تمام رفعتیں پست نظر آتی ہیں دنیا میں مختلف قسم کے

رشتے ہوتے ہیں۔ کوئی ارضی اور کوئی ذاتی اور ہر رشتہ کے لحاظ سے جو لوگ اس وقت رسول کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں وہ مسلمانوں کی نگاہ میں عزت کے سمجھے جاتے ہیں مگر ہر رشتہ میں کچھ نہ کچھ جدائی اور غیریت ضرور ہے لیکن رسولؐ نے اپنی بیٹی کا اپنی ذات کے ساتھ جو تعلق ظاہر کیا ہے۔ اس میں تفرقہ اور جدائی کا پہلو بھی نظر نہیں آتا جزو و کل کا رشتہ ایک ایسے گہرے تعلق کا پتہ دیتا ہے جہاں کل کا لحاظ بغیر جزو کے ممکن ہی نہیں ہے پھر جو رسولؐ کے دل کا ٹکڑا ہو اُس سے کسی طرح کا گناہ کب ہو سکتا ہے۔ اس لئے سیدہ عالم کی عصمت و طہارت بھی صاف ثابت ہے۔ پھر اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ سیدہؑ کی زندگی ایک شعبہ ہے سالت آپ کی زندگی کا۔ یعنی جو کام رسول کی ذات سے متعلق تھا۔ اس میں سیدہؑ کا بھی حصہ ہے۔ رسول دُنیا کو احکام خُدا اور بلند اخلاق کی تعلیم دینے آئے اور دیا یہی آپ کی زندگی کا مقصد تھا۔ حضرت لفظی تعلیم نہیں بلکہ عمل سے آپ دُنیا کے سامنے نمونہ پیش کرتے تھے تاریخی لطیفوں میں سے ایک واقعہ خود پڑھا ہے جس میں لکھا تھا کہ ایک غریب عورت کے ایک ہی بیٹا تھا وہ کسی مرض میں گرفتار ہو گیا۔ طبیب نے علاج کے ساتھ اُس کو شیرینی کھانے سے ممانعت کی لیکن وہ لڑکا شیرینی سے بہت رغبت رکھتا تھا اس لئے اپنی عادت کو ترک نہ کر سکا۔ غریب عورت پریشان ہو کر ایک روز خدمتِ رسولِ خداؐ میں حاضر ہوئی اور تمام واقعہ بیان کیا حضرتؐ نے اُس سے فرمایا کہ کل اپنے بیٹے کو لے آنا۔ دوسرے دن حسب الحکم وہ ضعیفہ مع اپنے فرزند کے خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس وقت تمام اصحاب حضرتؐ کے پیش و گرد حاضر تھے۔ آپ نے پسرِ ضعیفہ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ تیرے لئے شیرینی مُضر ہے اس لئے اِس کے کھانے سے درگزر کر۔ وہ شخص آپ کے فرمان پر عمل کرنے کو تیار ہو گیا۔ اصحاب نہایت متعجب ہوئے عرض کی یا حضرت یہ بات آپ اس شخص سے کل بھی فرما سکتے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کل میں نے خود

شیرینی کھائی تھی اِس لئے منع نہ کیا۔ آج میں نے اِس لئے ترک کیا کہ اِسے منع کر سکوں۔
بہرحال آپ کی تمام سیرت خلق کے لئے بہترین مثال تھی اسی لئے قرآنِ پاک میں آپ کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے اور آپ کے نقشِ قدم پر چلنے کی ہدایت کی گئی ہے۔
مگر آپ کی یہ عملی سیرت صرف مردوں کے لئے مثال بن سکتی ہے۔ عورتوں کی زندگی کے قاعدے الگ ہیں اور اُن کے لئے آپ کے افعال نمونہ نہیں بن سکتے تھے اِس لئے ضرورت تھی ایک ایسی ذات کی جو عورتوں کے لئے احکامِ شریعت اور اخلاقِ حسنہ کا بہترین نمونہ اور مثال ہو۔ اس کے لئے مصورِ قدرت نے رسولؐ کے یہاں فاطمہ زہراؑ اسی بیٹی قرار دی جو دُنیا کی عورتوں کے لئے ہمیشہ کے واسطے تعلیم و ہدایت کا ذریعہ ہیں۔

اور سیدہؑ کی یہی وہ خصوصیت تھی جس کی بناء پر رسولؐ سیدہؑ کی عزت کرتے تھے۔ کسی باپ کو آپ نے نہ سُنا ہوگا کہ وہ بیٹی کی تعظیم کو کھڑا ہوتا ہو مگر رسولؐ کی یہ عادت تھی کہ جب سیدہؑ آپ کے پاس حاضر ہوتی تھیں تو آپ تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے اور مختلف صورتوں سے اظہارِ عظمت و بزرگی کرتے تھے۔ روایت میں ہے کہ جب آپ کسی غزوہ پر تشریف لے جاتے تھے تو جاتے وقت سب سے آخر میں سیدہؑ سے رُخصت ہوتے تھے اور جب واپس آتے تو سب سے پہلے سیدہؑ کی ملاقات کو تشریف لاتے تھے۔

یہ جنابِ فاطمہ زہراؑ کی عزت اِس لئے تھی تاکہ اُمتِ رسولؐ کی نگاہیں آپ کی طرف مڑیں اور وہ آپ کی سیرت کو دیکھ کر اِس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔
سیدہ عالم نے خانہ داری اور شوہر کے ساتھ اعلیٰ برتاؤ عورت کے عام طریقہ زندگی کے ہر راستے میں اپنے نقشِ قدم شمع کی طرح روشن چھوڑے ہیں۔ سیدہؑ نے علیؑ کے مکان میں آکر دُنیا کی کوئی راحت و آرام نہیں اٹھایا۔ گھر کا تمام

کاروبار ستیدہ کا اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں یہاں تک کہ جھاڑو دینا اور کپڑے دھونا۔ چرخہ کاتنا۔ چکی پیسنا۔ آپ کو ان تمام کاموں میں ہر طرح کی تعلیم کا پتہ تو ملے گا۔ اُجرت پر چرخہ کاتنا بتلاتا ہے کہ حصولِ معاش میں آپ علیؑ کا ہاتھ بٹایا کرتی تھیں۔ تبلیغ اسلام میں یہودی کے یہاں بزمِ شادی میں شرکت اور یہودی عورتوں کو فائزبہ اسلام کرنا۔

مشہور حدیث ہے آپ رسولِ خدا کی اکلوتی صاحبزادی تھیں جو دو جہاں کے مالک و مختار تھے اس لئے نہایت شاندار زندگی بسر کر سکتی تھیں لیکن خادمہ رکھ کر ہم غریبوں کی عزت رکھنا مقصود تھی۔ ہم کو عمدہ تعلیم دینے کی غرض تھی۔ ہم کو کاہلی اور سستی سے نجات دلانا پیشِ نظر تھا۔ پردہ آپ کا وہ تھا کہ جس کی شان میں آیۂ اِنّما نازل ہوئی۔

جس طرح رسول کے بعد علیؑ اور ان کے بعد دیگرے ہمارے بارہ امام سیرتِ رسولؐ کی زندہ تصویریں تھیں۔ اسی طرح سیدہ عالمؑ کے بعد آپ کی صاحبزادی ثانی زہراؑ کا لقب پا کر مشہور ہوئیں اور کیوں نہ ہوتا جب کہ اُس گھر کی لونڈی کو بھی حضوری کے سبب خدا نے وہ رتبہ دیا جس پر ہم فخر کرتے ہیں۔ جناب فضہ کے لئے طعامِ جنت کا آنا۔ اُمِّ ایمن کے لئے حالتِ پیاس میں پانی کی ڈولچی آسمان سے آنا۔ ان مخدرات کی عظمت پر انتہائی روشنی ڈالتا ہے۔ یہ ہستیاں اپنی مخدرۂ عصمت کے نقشِ قدم پر چلنے والی اور سچی پیروی کرنے والیاں تھیں۔ کربلا کی درد انگیز فضا۔ میں مردوں کے دوش بدوش عورتوں نے بھی عدیم المثال کارنامے انجام دیئے۔ نبیؐ کے نواسے پر جب چاروں طرف سے ظلم و ستم کی گھٹا اُمنڈ آئی تو دینِ رسول کی بقا کے لئے ماؤں نے اپنے دل کے ٹکڑوں کو، بہنوں نے اپنے بھائیوں کو دو ہفتے کی بیاہی اور ایک شب کی بیاہی دلہنوں نے اپنے اپنے نوشاہ کو حسینؑ

کے لشکر کی زینت بنا دی۔ قربان گاہ کربلا پر اسلام کو بچانے کے لئے ان فرض شناس بی بیوں نے اپنی ساری دولت قربان کر دی۔ مادرِ وہب نے جب اپنے نوجوان فرزند کو نصرتِ حسینؑ کے لئے آمادہ کر لیا تو، اروز کی بیاہی دلہن نے اپنا رنڈاپا بخوشی منظور کر لیا۔ یہاں تک کہ دولہا کے ساتھ وہ مومنہ خود بھی شہادت کے درجے پر فائز ہوئی۔

سمرہ بنتِ مسعود کا شوہر جب قربان گاہِ کربلا پر بانوانؑ شہید بن چکا تو اس مومنہ نے ۵۰ واں شہید بنانے کے لئے اپنے کم سن اور کم عمر بچے کو بھی اسلام پر قربان کیا۔ اسی طرح زوجہ مسلم ابن عوسجہ نے اپنے کم سن بچوں کو زوجہ جناب عباسؑ نے اپنے نا سمجھ بیٹوں کو بیوہ حسنؑ نے کئی فرزندوں کو جناب امِ لیلیٰ نے اپنے کڑیل جوان فرزند جو شبیہ رسولؐ تھا ماں اور پھوپھیوں کا لاڈلا باپ کا عصائے تھا اسے حفاظتِ دین کے لئے قربان کیا۔ جنابِ رباب نے تو کفر و نفاق کے قلعے کو ہمیشہ کے لئے خاکستر کر دیا۔ اور اسلام کو قیامت تک کے لئے محفوظ اور زندہ کر دیا۔ حضرت علی اصغرؑ کی شہادت نے اسلام کو سربلندی دی۔ نفاق کے قلعے کو خاکستر کر دیا۔ لیکن اسلام کو تلوار کا مذہب نہ بننے دیا۔

لیکن شانِ ثانیٔ زہراؑ ان تمام مخدرات سے عظیم ہے۔ کیوں نہ ہوتی یہ قائم مقام سیدۂ عالم تھیں۔ فاطمہؑ کا شیر آپ نے پیا تھا۔ حیدر کرار جیسے کلِ ایمان کی صاحبزادی تھیں۔ رسولِ برحق کی نواسی تھیں۔ سردارِ جوانانِ جناں کی ہمشیر تھیں۔ سیرتِ فاطمہؑ کی زندہ تصویر تھیں۔ سیدہ عالم کے بعد دونوں بھائی آپ کو ماں کی جگہ سمجھتے تھے۔ مصائب بھی مادرِ گرامی کی طرح آپ کو ورثہ میں ملے تھے آپ وہ تھیں جن کی پیدائش کے وقت رسولِ مختار کچھ یاد کر کے روتے تھے۔ آپ کا رونا دیکھ کر سیدہ عالم کو تشویش ہوئی۔ عرض کیا بابا اس بچی کی ولادت

پر بجائے مسرت کے یہ اظہارِ غم کیوں ہے کیا یہ آپنے ہمراہ کوئی خبر بد لائی ہے کیا فاطمہ اب بن ماں باپ کی ہو جائے گی یا میرا ہمراج کسی غزوہ میں کام آئے گا۔ یا زینب بن بھائیوں کی ہو جائے گی یا میں دارِ فانی سے کوچ کروں گی۔

تب رو کے محمد نے کہا اے میری پیاری
اس وقت تو رحلت نہ ہے میری تمہاری
انجام پہ زینب کے ہے رقت مجھے طاری
ہے اس کے مقدر میں فقط نالہ و زاری

زینب سی گرفتارِ بلا کوئی نہیں ہے
ہم پنجتنِ پاک کی یہ سوگ نشیں ہے

(۲)

پہلے تو یہ ہوئیگی عزادارِ پیمبر
اور بعد کئی دن کے ملے گا غم مادر
روئے گی تیرے پہلوئے زخمی کو پکڑ کر
پھر آنکھوں سے دیکھے گی یہ زخمی سر حیدر

پھر تفرقہ ڈالے گا فلک بھائی بہن میں
ٹکڑے دلِ شبیر کے گننے گی یہ گھن میں

(۳)

پر سب سے زیادہ ہے اسے ماتمِ شبیر
جب کرب و بلا میں سے لیجائے گی تقدیر
کیا کیا نہ ستم دیکھے گی واں زینبِ دلگیر
تڑپے گا حسین آنکھوں کے نیچے تہِ شمشیر

جن بازوؤں پہ دیتا ہوں بوسے میں دہن سے
بندھ جائیں گے بازو بھی اک روز رسن سے

غرض کہ جناب زینب نے اپنے بھائی کے ساتھ نانا کے دین کو قائم رکھنے کے لئے برابر کا ساتھ دیا۔ حسینؑ نے نانا کا روضہ، ماں کی قبر، بھائی کی مزار کو خیر باد کہا۔ زینب نے بھی گھر بار چھوڑ کر حسینؑ کا ساتھ دیا۔ حسین نے اپنے لختِ ہائے دل کو

ہمراہ لیا۔ زینب نے بھی اپنی بضاعت ساتھ میں لی۔ حسینؑ نانا کی عبا اور عمامہ پہن کر تبلیغ اسلام کو چلے۔ زینبؑ بھی سیدہ کی چادر اوڑھ کر اُٹھ کھڑی ہوئیں میدانِ کربلا میں پہنچ کر رسول کی نواسی نے اپنے ایثار و ہمت اور جوشِ ایمان کا مظاہرہ کیا کہ آج تک مثال باقی ہے۔ حسینؑ نے علی اکبر کو میدان کی اجازت دی زینب نے دولہ بنا کر بھیجدیا۔ حسینؑ نے عباسؑ کو پانی لانے کا حکم دیا۔ زینب نے علم رسول میں مشکیزہ باندھ دیا۔ حسینؑ اپنے رُفقاء کی لاشیں مقتل سے لائے۔ زینب نے اُن کی صفِ ماتم بچھائی۔ حسینؑ نے علی اصغر کو قتل گاہ لے جانے کا ارادہ کیا۔ زینب نے جھولے سے اُٹھا کر آپ کے ہاتھوں پر رکھ دیا۔ حسینؑ لاشِ فرزندِ نوجوان کو اُٹھانے چلے زینب بھی سہارے کے لئے بڑھیں۔ حسینؑ ششماہے کی لاش لے کر درِ خیمہ تک آئے۔ رنج و غم کے سبب تھم ڈاٹھے۔ زینب نے بڑھ کر بچے کی لاش گود میں لے لی۔ حسینؑ نے اپنے جگر پارے کو نانا کی شریعت پر ابھی قربان نہ کیا تھا۔ زینب نے اپنے جگر پارے کو دولہا بنا کر میدان میں بھیج دیا۔

اللہ اللہ یہ ایثار! یہ محبتِ برادرانہ! فدا ہوجائیں جانیں ہماری ثانی زہراؑ پہ۔ آپ نے نانا کے دین پر احسان کیا۔ نانا کی اُمت پر احسان کیا۔ آپ نے وہ کیا جو آج تک طبقۂ نسواں میں فخر کی نگاہوں سے دیکھا اور سُنا جاتا ہے۔ حسینؑ کی شہادت کے بعد زینب نے کئی فرائض بہ یک ساتھ ادا کئے۔ لٹے ہوئے قافلے کی سرداری کی۔ خیامِ حسینی کی حفاظت کی۔ بیمار بھتیجہ کی خدمت کی۔ امامِ وقت کی پیروی کی۔ کوفہ اور شام کی بازاروں میں بے پردہ پھر کر اُمت کی پردہ داری کی۔ وہ تماشائی جو قیدیوں کو بہ نگاہِ تماشہ دیکھ رہے تھے۔ اُن کے دلوں پر جناب زینب نے اپنے فصیح و بلیغ خطبہ سے ایمان کا نقش کندہ کر دیا۔

روایت میں ہے کہ آپ کا خطبہ سن کر تمام کوفی اور شامی زار و قطار رونے لگے۔
دربارِ یزید پلید میں جب آپ کو لے جایا گیا اور سرِ اقدس حسینِ مظلوم کا زیرِ تخت رکھا گیا۔ خولی بدگہر لوٹ کا سامان لے کر آگے بڑھا کہا۔
"اے اہلِ شام یہ حسین کا پیرہن ہے جسے پہن کر وہ دعوائے حکومت لے کر ہمارے سامنے آتے تھے۔"
اُس وقت یزید پلید نے جنابِ زینب کو مخاطب کر کے کہا۔
"اے بنتِ علی مرتضیٰ کیا یہ پیرہن اس قابل ہے؟" آپ نے بڑے صبر و ضبط سے کام لے کر ارشاد فرمایا۔ کہ
"اے پسرِ معاویہ! اے ہندہ جگر خوارہ کے پوتے، رسول کے نواسے کو شہید کر کے تو نے فتح حاصل نہیں کی جب تو جہنم کے عذاب میں داخل کیا جائے گا تو اس وقت پچھتا کر کہے گا کہ کاش دُنیا میں میرے ہاتھ شل ہو جاتے اور زبان گونگی ہو جاتی کہ میں ان میں سے کسی کو دکھ نہ پہنچاتا۔ آپ کا مطلب یہ تھا کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ یا زبان سے کسی کو نقصان نہ پہنچے اور تو نے ذریتِ رسول پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے جس کا تو کلمہ پڑھتا ہے۔"
زمانہ اسیری ختم کر کے جب آپ واردِ مدینہ ہوئیں تو اہلِ مدینہ کو شہادتِ حسین کے حالات سناتے۔ قبرِ نبی آپ کے بیان سے لرزش میں آگئی۔ زنانِ بنی ہاشم نے آپ کے مصائب پر منہ پر طمانچے مارے۔ رنج و غم کے سبب ایسی حالت ہو گئی تھی کہ جناب عبداللہ جب سفر سے واپس آئے تو آپ کو نہ پہچانا۔
تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے جس طرح سیدۂ عالم رسول کی وفات کے بعد ہمیشہ روتی رہیں اسی طرح زینب خاتون واقعۂ کربلا کے بعد تاعمر روتی

رہیں اور روتے روتے جان دی۔ ابھی تھوڑا ہی عرصہ آپ کو وطن میں آئے گزرا تھا کہ یزید بدبخت نے امامِ غریب کی اسیری کا پھر حکم دیا۔ دخترِ فاطمہؑ اِس مرتبہ بھی بھتیجے کی رفاقت کو اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ مخدومۂ عالم کے ساتھ فضہ بھی چلیں۔

یہ مختصر قافلہ راہِ شام طے کرنے لگا۔ شب میں ایک مقام پر منزل کی۔ پھوپھی بھتیجے عبادت میں مشغول ہو گئے۔ ناگاہ جناب زینب کو اسی مقام پر بھائی کے خون کی خوشبو محسوس ہوئی۔ یاد آیا کہ یہیں میرے بھائی کا سر معلق کیا گیا تھا۔ عاشقِ حسینؑ تھیں۔ بھائی کی کشش ایک طرف لے چلی۔ بوجہ ضعف و صدمہ ایک باغیچہ میں غش کھا کر گر پڑیں۔ اُدھر مالِکِ باغبان ہاتھ میں بیلچہ لئے ہوئے دریافتِ حال کے لئے آیا۔ آہ آہ اُس ملعون نے حالتِ غشی ہی میں معصومہ کے سر پر بیلچہ کی ضرب لگائی اور ثانیِ زہراؑ اسی ضرب سے شہید ہو گئیں۔

اُدھر جناب فضہ اپنی شہزادی کی تلاش میں آئیں۔ دیکھا کہ سرِ اقدس سے خون جاری ہے اور لب پر ہائے حسینؑ کی صدا ہے۔ فضہ نے یہ حال دیکھ کر سر و سینہ پیٹ لیا۔ بڑھ کر بیمار امام کو خبر دی۔

"اے غریبوں کے والی پھوپھی عالمِ غربت میں کوچ کر گئیں۔"

جنابِ زینبؑ کی نظر میں مادرِ علی اکبرؑ

سچ ہے کہ اسکی چاہ سے نسبت مجھے کہاں — ہوں لاکھ ان کی چاہنے والی وہ پھر ہے ماں
آنکھوں کا نور قلب کی طاقت بدن کی جاں — آنچ آتما کی ہے وہ قیامت کہ الاماں
کیا سوچتے ہو صاحبو کچھ تم کو خبر ہے
ماں ہے تو ماں ہے خلق میں پھر غیر غیر ہے

ماں کی نہ کم تو ہی اور نہ کسی کا پیار — مختصر ہو یا کہ خفت کہے دل میں ہے شمار
بلبل فدا ہے گل پہ شکایت کرے ہزار — دنیا میں عاشقوں کے دلوں کو کہاں قرار
دیں ماں کا ساتھ نام خدا اب جوان ہیں
میرا ہے جب یہ حال پھر اُن کے تو جان ہے

✷ میر انیس

نقیاتِ محسنہ

ضمیر اختر نقوی

ملّتِ جعفریہ میں عظیم فلسفی، علماء، فقیہہ، ادیب، شاعر، نثار، خطیب پیدا ہوئے۔ تاریخ نے اُن کے نام محفوظ بھی کئے اور اُن کے حالاتِ زندگی بھی لکھے گئے۔ لیکن ملّتِ جعفریہ کی پردہ نشین خواتین نے بھی ملّت کی خدمت میں گراں بہا کارنامے انجام دیئے ہیں۔ دو تین کتابوں کے علاوہ خواتینِ شیعیہ کی کوئی مکمل تاریخ نہ لکھی جا سکی اور ان کے حالاتِ زندگی اور خدماتِ دین نہ ہونے کے برابر ملتے ہیں۔

یہ تاریخ اگر جنابِ آمنہؑ، فاطمہ بنتِ اسدؑ، جنابِ خدیجہؑ، اُمِ سلمہؑ، اُمِ ہانی، جنابِ فاطمہ زہراؑ، ام البنینؑ، جنابِ زینبؑ، جنابِ اُمِ کلثومؑ، جناب فاطمہ بنتِ حسینؑ، معصومۂ قمؑ اور جناب حکیمہ خاتونؑ سے شروع ہو کر ان عظیم خواتین کی کنیزوں پر ختم ہو تو وہ ایک بہترین کتاب ہو گی۔ آلِ محمدؐ کی کنیزوں نے جو خدمات انجام دی ہیں اُن میں سے چند کا تذکرہ کرنے کو دل چاہتا ہے۔ یوں تو بہت نام ہیں، لیکن میرے ذہن میں اِس وقت یہ چند نام ہیں۔

قاضی نور اللہ شوستری علیہ الرحمتہ بہت بلند مرتبے کے عالم تھے۔ اُن کی بہن بھی عالمہ تھیں۔ حضرت غفرآنمآب علیہ الرحمہ کی بیٹیاں بھی عالمہ اور فاضلہ تھیں۔ باقر العلوم سید محمد باقر صاحب اعلیٰ اللہ مقامہٗ کی بیٹیاں بھی علوم شرعیہ وعلم فقہیہ میں ماہر تھیں شاہِ اودھ نصیر الدین حیدر کی بیگم ملکہ زمانی مرثیہ اور سلام کی بہترین شاعرہ تھیں، بادشاہ کی بیٹی سلطان العالیہ مرزا دبیر کی شاگردہ تھیں اور بہترین شاعرہ تھیں۔

کہتے ہیں دو بہنوں نے مل کر ایک مسجد امین آباد لکھنؤ میں تعمیر کروائی جس کا نام "کلاں بہاٹک کی مسجد" ہے۔ لکھنؤ میں بجلی آگئی تھی۔ لیکن امین آباد تک نہیں آئی تھی۔ دونوں بہنوں نے اپنے زیورات بیچ کر مسجد تک بجلی کا انتظام کر دیا۔ ملکہ جہاں کی کربلا، ملکہ زمانی کی مسجد، ملکۂ آفاق کا تعزیہ، پتن صاحب کی کربلا، چھوٹی رانی کا تعزیہ۔ یہ یادگاریں عظیم خواتین کا نام روشن کئے ہوئے ہیں۔

۱۹۱۱ء میں جب مشہد مقدس پر روس نے گولہ باری کی اور ایران کو جنگ کا الٹی میٹم دیا تو ایرانی مجلس بڑی پس وپیش میں تھی۔ ۲۳ گھنٹے گزر گئے اور مجلس کچھ طے نہ کر سکی۔ ابھی چند منٹ باقی تھے کہ پولیس کو ہٹاتی ہوئی بُرقعہ پوش عورتوں کی ایک بھیڑ ایوانِ مجلس میں گھس پڑی، اُن کے ہاتھوں میں پستول تھے۔ ہر ممبر کے سر پر ایک عورت سوار ہوگئی اور چند عورتوں نے بڑھ کر صدرِ مجلس کے ہاتھوں سے روس کا الٹی میٹم لے کر کہا۔ ہم اس پر دستخط کرتے ہیں۔ ہم روس کی تاتار فوج کے ہاتھوں سے مرنا کنیزی سے ہزار درجہ بہتر سمجھتے ہیں، یہی رائے آقائے ثقتہ الاسلام کی بھی تھی جن کو روزِ عاشورا روسیوں نے تبریز میں سولی پر چڑھا کر کھال اُتروالی خدا نے اس کی سزا یہ دی کہ زارِ روس کی سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔

محاذِ حسینی لکھنؤ میں شریعت کدوں سے آواز بلند ہوئی۔ "ھَل من ناصرٍ ینصرنا" اس آواز کو مردوں سے زیادہ عورتوں نے سُنا دوپیٹہ

پیسہ، برتن، زیور جو کچھ مل سکا۔ اُسے محاذِ حسینی کے مصارف کے لئے بھیجا۔ عزادار عورتوں نے اپنے مردوں کو ہمت دلائی، غیرت دلائی اور جیلوں کو کھچا کھچ بھر دیا۔ عورتوں کے ایثار سے نہ کبھی روپے کی کمی ہوئی اور نہ گرفتاری کے لئے فدائیوں کی اور یہ سلسلہ مسلسل چھ مہینے تک چلتا رہا اور دُنیا حیرت کرتی رہی۔

پنجاب کے قصبہ رضوانہ ضلع جھنگ سے جب ہزاروں کی تعداد میں مومنین محاذِ حسینی سے اسیر ہو چکے اور صرف عورتیں رہ گئیں تو اس قصبے کی زمیندارنی جندان مائی نے پانچ سو سے زیادہ عورتوں کو اسیری کے لئے تیار کیا اور اُن کو لکھنؤ لانے کے لئے اپنی زمینداری کا ایک حصہ پچاسی ہزار روپے پر فروخت کرنے کے لئے خریدار تلاش کیا، لیکن ابھی بیعہ نامہ کا صرف مسودہ ہی تیار ہو رہا تھا کہ سرکار ناصر الملت اعلیٰ اللہ مقامہ کا اُن کے نام تار پہنچا جس میں عورتوں کی اسیری کی ممانعت تھی۔ اس بنا پر وہ اپنے عورتوں کے جتھے کو لکھنؤ نہ لا سکیں۔ جندان مائی جناب سیدہؑ کے دیسے پر تین دن تک مجالس منعقد کرتی تھیں۔ جس میں ہزاروں سامعین کے لئے کھانے وغیرہ کا انتظام بھی آپ کرتی تھیں۔

اِدھر پچاس سال کے عرصے میں ملتِ جعفریہ کی خواتین میں چند کے نام لئے جا سکتے ہیں۔ نواب نورجہاں بیگم، نواب قمر جہاں بیگم بہترین نوحے، سلام اور نظمیں لکھتی تھیں۔ بدرجہاں بیگم، گوہر بیگم، عصمت بیگم، قیصری بیگم کے نوحے اب تک مشہور ہیں۔

دولت پروین، بانو سیدان پوری، بیگم مولانا مظفر حسین طاہر جرولی (زرجنت بیگم صاحبہ) اور فضل لکھنوی کی بیٹی، اِس دور کی بہترین شاعرات ہیں اور عوام خانوں میں اُن کے نوحے پڑھے جاتے ہیں۔

مولانا کلبِ صادق قبلہ کی بیگم تاج سلطانہ صاحبہ بہترین ذاکرہ ہیں۔ مولانا

مظفر حسین صاحب طاہر کی بیگم صاحبہ بھی بہت دن سے ذاکری کر رہی ہیں اور بہترین ذاکرہ ہیں

پاکستان میں بھی چند خواتین ذاکرہ ایسی ہیں جن کے نام لئے جاسکتے ہیں۔ اور خاص کر مولانا سبطِ حسن صاحب علی اللہ مقامہ کی صاحب زادی بیگم ہادی رضا اور مولانا حافظ کفایت حسین اعلی اللہ مقامہ کی صاحب زادی بیگم منور علی صاحبہ جو آجکل افریقہ اور لندن میں مجالس پڑھنے گئی ہوئی ہیں قابلِ ذکر ہیں۔

مذکورہ بالا شیعہ خواتین کی تاریخ جب بھی لکھی جائے گی خطیبہ اہلِ بیت محسنہ بیگم اعلی اللہ مقامہا کا نام نصرتِ مظلوم کرنے والی صفِ اول کی خواتین میں نظر آئے گا۔ مرحومہ نے اپنے چالیس سال ملتِ جعفریہ کی خدمت میں صرف کئے۔

وِلادت ۱۷ ربیع الاول ۱۹۲۲ء میں بروز جمعہ بمقام منڈوا سادات ضلع فتح پور ہنسوا، سید ظفر عباس نقوی کے گھر اُن کی ولادت ہوئی۔ وہ اپنے والد سید ظفر عباس کی پہلی اولاد تھیں۔

محسنہ بیگم کے اجداد سید جان شاہ (بانیٔ قصبہ منڈوا) ابن سید حسین ابن سید محمد (جدِ امجد ساداتِ منڈوا) ابن سید حسین ابن حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے چار فرزند تھے۔ سید احمد، سید عالم، سید قیام الدین اور سید قطب۔ فرزندِ اکبر سید احمد کے صاحب زادے سید اجینّے بڑے ایک پسر سید رجن کے والد تھے۔ سید رجن کے یہاں سید ملوک اور سید کبیر پیدا ہوئے۔ سید ملوک سے سید احمد اُن سے سید پیارے اُن سے سید نور محمد اُن سے سید شاہ محمد اُن سے سید کریم الدین اُن سے سید ثناء اللہ اور اُن سے سید دوست محمد پیدا ہوئے۔ سید دوست محمد کو بفضل تعالیٰ تین پسر سید مکرم علی، سید ماستور علی اور سید عوض علی اور

دو بیٹیاں عطا ہوئیں۔ سید مکرم علی کے چار بیٹے سید ممتاز علی، سید غلام جعفر سید تقی علی، سید مصاحب علی اور دو بیٹیاں تھیں۔ سید ممتاز علی کے گھر سید مظہر حسین اور سید تجمل حسین پیدا ہوئے۔ سید مظہر حسین کے ہاں دو بیٹے سید غلام سبطین اور سید ظفر عباس پیدا ہوئے۔

خدائے لاشریک کی عنایات سے سید ظفر عباس کو پانچ دختر اور چھ پسر عطا ہوئے۔ ان میں سب سے بڑی اولاد **محسنہ بیگم** تھیں۔ اُس کے بعد عسکریہ بیگم، مہدیہ بیگم (مرحومہ)، نقیہ بیگم، اور رضیہ بیگم۔ فرزندوں کے نام سید مظاہر عباس، سید شاہ عباس، سید ناظر عباس، سید منتظر عباس۔ سید کاظم عباس، اور سید اشتر عباس ہیں۔

محسنہ بیگم کے والدِ ماجد

سید ظفر عباس سلطان پور میں پیدا ہوئے۔ چونکہ ظفر عباس کے نانا مولوی سید حسن اشرف نے انیسویں صدی کے ربع آخر کا زیادہ حصہ سلطان پور میں گزارا اس لئے سب کا قیام وہیں رہا۔

مولوی سید حسن اشرف کو ڈپٹی کمشنر سلطان پور مسٹر براؤن رگ کے زمانے میں ضابطہ فوجداری دفعہ ۳۴ کے تحت مقدماتِ فوجداری میں وکالت کرنے کی اجازت دی گئی، علاوہ بریں مولوی صاحب ریاست حسن پور میں بعہدہ مختاری بھی مامور ہو گئے تھے۔ مولوی صاحب نے اپنی بیٹی کا عقد جن کا نام لطیف النساء بی بی تھا اور اُن کی سب سے بڑی بیٹی تھیں، سید مظہر حسین کے ساتھ کر دیا۔ سید مظہر حسین کا قیام بھی سلطان پور ہی میں رہا اور اس شہر سے کچھ ایسی وابستگی ہوئی کہ وہیں مقیم ہو گئے اور وہیں صاحب جائیداد ہو گئے۔ منڈھے کی جائیداد اپنے بڑے بیٹے غلام سبطین کو لکھ دی اور سلطان پور کی جائیداد چھوٹے بیٹے سید ظفر عباس کے سپرد

کر دی۔ منظر حسین نے اپنے فرزند سید ظفر عباس کی شادی اپنے چچازاد بھائی صادق حسین کی بیٹی اسرار فاطمہ سے کر دی۔ سید صادق حسین کا قیام منڈھیے میں تھا۔ اس طرح منڈھیے اور سلطان پور میں دونوں جگہ آبائی مکان موجود تھا تمام بزرگ وہیں رہتے تھے۔ اس لئے محسنہ بیگم کی ولادت منڈھیے میں ہوئی لیکن قیام اُن کا زیادہ تر سلطان پور ہی میں رہا۔ سید ظفر عباس کی شادی ۱۸ سال کی عمر میں ہوئی اُس وقت وہ تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ ۱۹ سال کے تھے کہ محسنہ بیگم کی ولادت ہوئی۔ بغرضِ تعلیم وہ لکھنو گئے تو اہلیہ اور بیٹی کو بھی ساتھ ہی لے گئے۔

سید ظفر عباس نے ایم اے کرنے کے بعد ایل بی کیا اور سلطان پور میں وکیل ہو گئے۔ اِس سے پہلے ڈپٹی کلکٹر بھی رہے اور گورکھپور میں قیام رہا سید ظفر عباس کے بڑے بھائی سید غلام سبطین چونکہ جنگِ عظیم میں شریک تھے اس لئے مصر سے واپسی پر اُن کی شادی ہوئی۔ باپ اور چچا کی شفقتوں اور محبتوں میں محسنہ بیگم پروان چڑھیں۔ ابھی گیارہ سال کی عمر تھی کہ والدہ کا انتقال ہو گیا۔

محسنہ بیگم کی والدۂ ماجدہ

محسنہ بیگم کی والدہ ماجدہ سید منظر حسین کے چچازاد بھائی سید صادق حسین کی بیٹی تھیں۔ صادق حسین کے تین فرزند اور تین بیٹیاں تھیں۔ محسنہ بیگم کی والدہ اسرار فاطمہ اپنے ماں باپ کی سب سے چھوٹی اولاد تھیں۔ چھوٹی چھوٹی بچیوں کو چھوڑ کر اسرار فاطمہ اچانک ۲۲ سال کی عمر میں راہی ملکِ عدم ہوئیں۔ محسنہ بیگم کی چچی غلام سبطین کی اہلیہ جو مصطفےٰ آباد کے اعلیٰ سادات گھرانے کی بیٹی تھیں اور لا ولد تھیں۔ اُنہوں نے گھر کو سنبھالا۔

محرم کی گیارہ تاریخ اسرار فاطمہ کی وفات کی تاریخ ہے اُن کی سب بیٹیاں اب تک مجلسیں منعقد کرتی ہیں۔ محسنہ بیگم بھی ہر سال ماں کی برسی کی مجلس کا اہتمام

کرتی تھیں۔

تعلیم و تربیت

محسنہ بیگم کی والدہ کے انتقال کے بعد اُن کے والد بیٹیوں کی تعلیم کی طرف سے غافل نہیں تھے اپنی مصروفیات کے باوجود وہ انھیں تعلیم بھی دیتے رہتے تھے۔ محسنہ بیگم کی تعلیم پر انہوں نے خاص توجہ دی اور محسنہ بیگم نے اپنی چھوٹی بہنوں کو "ماں" بن کر یہ فریضہ منتقل کیا۔ گھریلو تعلیم کے لئے اُن کی چچی جان کافی تھیں۔

محسنہ بیگم نے پردے میں رہ کر اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ اُن کے والد نے مولوی سید باقر حسین نصیر آبادی کو بُلا کر اُن کے ذمے یہ کام کیا اور مولوی صاحب نے ہمیشہ اپنی بیٹی کی طرح شفقت سے پڑھایا اور کچھ ہی دنوں میں مرحومہ کو عالمہ فاضلہ بنا دیا۔ اپنے ہاتھ سے لکھ کر مولوی صاحب نے میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کے مرثیے نہایت خوش خط تحفہ میں دیئے جنہیں آج تک انہوں نے محفوظ رکھا۔ بارہ برس کی عمر میں وہ بہترین مجلسیں پڑھنے لگیں۔ شروع میں مولوی صاحب کے لکھے ہوئے مسودے پڑھتی تھیں۔ اور اُسی زمانے سے نوحہ اور سلام بھی نظم کرنے لگیں۔ ۱۷ سال کی عمر میں اُن کی شادی ہو گئی۔ شادی کے بعد بھی اُنہوں نے اپنی تعلیم اور مطالعہ جاری رکھا۔ ۱۹۵۶ء میں انہوں نے میٹرک کا امتحان دیا۔ ہندی اور انگریزی کی تعلیم بھی حاصل کی۔ فارسی کی مزید تعلیم مولانا مرزا احمد علی اعلی اللہ مقامہ (مجاہد لکھنوی کے والد) سے حاصل کی تھی۔

بچپن کے حالات

محسنہ بیگم کا حافظہ بچپن ہی سے بہت تیز تھا۔ اور اُن کو اپنے بچپن کے حالات بخوبی یاد تھے۔ گھر کے نوکر چاکر اُن کے والد کو "میاں" کہتے تھے اس لئے نوکروں سے سن کر وہ اپنے والد کو میاں کہنے لگیں اور پھر ان کی تقلید میں سب نے اُنھیں میاں کہا۔ محسنہ بیگم کی والدہ کو "آباد بہو" کا خطاب ملا تھا۔ اس لئے زیادہ تر انہیں اسی خطاب سے پکارا جاتا تھا۔ اسی لئے

اُنھیں محسنہ بیگم نے ہمیشہ "بہو" کہا۔

محسنہ بیگم کو اپنے چچا سے بہت محبت تھی اور وہ بھی اُن پر جان چھڑکتے تھے کہتی تھیں۔ "جب ہمارے چچا جان دولہا بنے گھوڑے پر سوار ہو رہے تھے۔ بارات جانے والی تھی تو انہوں نے مجھے گود میں لے کر پیار کیا تھا۔" انھیں اپنے دادا مظہر حسین کی باتیں بھی یاد تھیں۔ مظہر حسین کا انتقال الہ آباد میں ہوا تھا اور وہیں درگاہ حضرت عباس میں اُن کی قبر ہے۔

محسنہ بیگم کے ماموں ماسٹر غلام حسنین نقوی مرحوم نے ایک بار خاندان کے تمام بچوں کو املا لکھوایا تھا۔ فرماتی تھیں۔ سب مجھ سے سن میں بڑے تھے۔ ہر ایک کے املے میں غلطیاں موجود تھیں جب کہ میری تحریر میں ایک بھی غلطی نہ تھی۔

محسنہ بیگم کے والد کی دوسری شادی

ان کی والدہ کے انتقال کے دو سال بعد سید ظفر عباس مرحوم کی دوسری شادی ہوئی۔ اپنی دوسری والدہ کو وہ "باجی" کہتی تھیں۔ پھر تمام بچوں نے اُنہیں ہمیشہ باجی کہا۔ مرحومہ نے اُن کو ہمیشہ ماں سمجھا۔ اور اُن کا ہمیشہ احترام کرتی تھیں۔ وہ بھی محسنہ بیگم سے بہت محبت کرتی تھیں۔

محسنہ بیگم کی شادی

۱۱ سال کے سن میں اُن کی شادی ہوئی۔ سید ظفر عباس نقوی کے والد مظہر حسین کی خالہ زاد بہن جو دیانت حسین مرحوم (رئیس قصبہ مصطفےٰ آباد) کی اہلیہ تھیں اُن کے بیٹے سید ظہیر حسین نقوی سے شادی طے ہوئی۔ ۱۷ شعبان ۱۹۳۵ء کو یہ شادی ہوئی یہ شادی سید ظفر عباس کے گھر کی پہلی شادی تھی۔ جو لوگ وہ شادی دیکھ چکے ہیں۔ کہتے ہیں بڑے انتظامات تھے۔ بڑے رؤسا، اُمراء، علما، راجہ، مہاراجہ سبھی مدعو تھے۔ ہندو راجاؤں اور وکیلوں کے لئے الگ کھانے کا انتظام تھا۔ کئی روز تک مہمان

داری ہوئی۔ سید سبطِ حسین جونپوری اعلی اللہ مقامہ نے عقد پڑھا۔ گھر میں محسنہ بیگم کو دُلہن بنایا گیا۔ مرحومہ کی خالہ اور چچی نے اُن کے جہیز کی تیاری میں بڑا اہتمام کیا تھا۔ مرحومہ کی کوئی پھوپھی نہیں تھیں اس لئے انہوں نے ہمیشہ رانی صاحبہ پیرپور کو رتن پھوپھی (اُمِّ رباب) کہا اور وہ بھی محسنہ بیگم سے بہت محبت کرتی تھیں انہوں نے ہی اپنے ہاتھوں سے محسنہ بیگم کو دلہن بنایا۔ رانی صاحبہ حیات ہیں اور لکھنؤ میں اُن کا قیام ہے۔

سُسرال میں

سید دیانت حسین کے صرف دو بیٹے ہیں۔ بڑے بیٹے سید وزیر حسن اور چھوٹے بیٹے سید ظہیر حسن۔ محسنہ بیگم ظہیر حسن کی دُلہن بن کر مصطفےٰ آباد آ گئیں۔ وزیر حسن کی اہلیہ بھی محسنہ بیگم کی سگی ماموں زاد بہن تھیں۔ پھر ساس بھی رشتہ دار تھیں اس لئے انہوں نے سسرال میں کبھی غیریت محسوس نہیں کی۔ بزرگوں نے انھیں "زینت بہو" کے خطاب سے نوازا۔

محسنہ بیگم کے خسر

محسنہ بیگم کے خسر سید دیانت حسین ابنِ سید عنایت حسین ابن سید بخشش حسین رئیس قصبہ مصطفےٰ آباد بڑے آن بان کے مالک تھے۔ مصطفےٰ آباد کے بڑے رئیسوں میں اُن کا شمار تھا۔ سید دیانت حسین مرحوم کی عقل و تدبیر ہی تھی جو سید عنایت حسین مرحوم نے میر نفیس کو لکھنؤ مرثیہ پڑھنے کیلئے بلوایا تھا۔ نواب شیخ محمد حسین خان بہادر رئیس پریانواں نے ہر کام سید دیانت حسین مرحوم کی صلاح اور مشورے کے بعد کیا۔ نواب صاحب اُن کو بہت عزیز رکھتے تھے حد یہ ہے کہ اپنے وصیت نامے میں صرف دو اشخاص کو شریک کیا۔ ایک سرکار ناصر الملت اعلی اللہ مقامہ اور دوسرے سید دیانت حسین مرحوم۔ اس واقعہ کا تذکرہ فخر کے ساتھ آج بھی نواب صاحب کے پوتے ممتن میاں اکثر کرتے ہیں کہ بابا دیانت

حسین کی وجہ سے یہ بات راز رہی ورنہ جائیداد کے بٹوارے میں رخنہ بھی پڑ سکتا تھا اور ہمارے والد کے لئے پریشانی کا باعث ہوتا۔

مصطفےٰ آباد کے ایک اور رئیس سید مصطف حسین (عرف مچھو میاں) بھی سید دیانت حسین کا بڑا احترام کرتے تھے۔ احترام کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سید دیانت حسین کے خسر سید ذاکر حسین مچھو میاں کے بہت عزیز ترین دوست تھے۔ اس وضع داری کو اُن کی اولاد نے بھی برقرار رکھا اور مچھو میاں کی اولاد نے بھی سید دیانت حسین کا ہمیشہ احترام کیا۔ تین پشتوں کے بعد دونوں کے شجرے مل جاتے ہیں اور آپس میں رشتے داریوں کی وجہ سے یہ محبت کا رشتہ اب تک قائم ہے۔

سسرال میں پہلی مجلس

محسنہ بیگم نے سسرال میں پہلی بار دس مجالس کی بنیاد رکھی، مردانی مجلسیں ہوتی تھیں لیکن زنانی مجلس کا کوئی عشرہ نہیں ہوتا تھا اور نہ گھر میں عزاخانہ تھا۔ انھوں نے گھر میں عزاخانہ سجایا اور مجلس بھی منعقد کیں۔ شادی کے بعد بہت دنوں تک انھوں نے سسرال میں مجلس نہیں پڑھی لیکن جب مصطف حسین صاحب (مچھو میاں) کا انتقال ہوا تو محسنہ بیگم کی چچی نے کہلوایا کہ سوئم کی مجلس تم پڑھو سسرال میں یہ اُن کی پہلی مجلس تھی جو انھوں نے پڑھی۔

لکھنؤ میں قیام

محسنہ بیگم کے شوہر ڈائریکٹریٹ آف میڈیکل اینڈ ہیلتھ میں سرکاری ملازم تھے اس لئے اُن کا قیام لکھنؤ میں رہتا تھا۔ شادی کے کچھ عرصے بعد وہ بھی لکھنؤ آگئیں۔ اُن کے شوہر نے گولہ گنج میں مولوی حید حسین صاحب اعلی اللہ مقامہ کا ایک مکان کرایہ پر لیا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد مرشد آباد ہاؤس میں مکان لیا اور اسی مکان میں شادی کے پانچ سال بعد اُن کے فرزندِ اکبر سید محسن اختر نقوی کی

ولادت ہوئی۔

محسن اختر ایک سال کے تھے جب سید ظہیر حسن نے وزیر گنج میں مکان لیا اور پاکستان آنے تک اُسی مکان میں قیام رہا۔ یہ مکان سلطنت بیگم (خان بہادر حامد حسین) کی اہلیہ کا تھا۔ اسی مکان میں وہ محرم کی مجالس اور ائمہ معصومینؑ کی ولادت کے موقع پر محافل بھی کرتی تھیں۔

اُمورِ خانہ داری

محسنہ بیگم نے اپنے والد کے گھر میں کبھی گھریلو کام کاج نہیں کئے تھے اِس لئے کہ نوکر لگے ہوئے تھے۔ سُسرال میں بھی نوکر چاکر تھے۔ لیکن لکھنؤ آکر اپنے گھر کو اس طرح سنبھالا اور سنوارا جیسے سب کچھ برسوں سے کر رہی تھیں۔ اُن کا اُصول تھا کہ کبھی بے کار نہیں بیٹھنا چاہیئے اور کسی نہ کسی کام میں لگے رہنا چاہیئے اس لئے انہوں نے اپنے کو ہمیشہ مصروف رکھا۔ جب تک بچے چھوٹے تھے انہوں نے ایک ملازم بچے کھلانے کے لئے اور ایک نوکرانی کھانا پکانے والی رکھی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ کوئی ملازم نہ ملتا تو وہ خود سارے کام کرتی تھیں۔ کھانا پکانے میں انہیں مہارت حاصل تھی اور وہ نذر نیاز دعوتِ مہمانی کے موقع پر تنہا سو دو سو آدمیوں کا کھانا پکا لیتی تھیں۔ قورمہ، بریانی، شامی کباب، کھیر، زردا، چپاتی روٹیاں ہر چیز نفیس سے نفیس تر ہوتی تھی۔ اُنھیں نئے نئے کھانے پکانے کا بھی شوق تھا۔

سلائی بھی وہ خود کرتی تھیں۔ انہوں نے درزی کے یہاں کپڑے سلوانا کبھی پسند نہیں کیا۔ چکن کے کرتے، کڑھائی، اردوزی کا کام، گُٹھ پائی، سلمہ ستارے کا کام، ریشم کی کڑھائی، سندھی کڑھائی، سوئٹر کی بُنائی ہر کام میں انھیں مہارت حاصل تھی۔ اور ان کاموں میں اپنے کو مصروف رکھتی تھیں۔

موسم سرما میں لحاف، رضائی کی سلائی اور ڈورے ڈالنے کا کام بڑھ

جاتا تھا۔ ہر کام میں صفائی کا خیال رکھتی تھیں۔ گھر میں بھی صفائی کو مقدم رکھتی تھیں اور بچوں کو اگر ڈانٹا تو اسی بات پر کہ یہاں ابھی میں نے صفائی کی تھی پھر کوڑا کر دیا۔ باورچی خانہ ہر وقت صاف ستھرا رہتا تھا۔ منھ دھونے کے لوٹے اور وضو کرنے کے لوٹے بالکل الگ رکھتی تھیں۔ پاکیزگی کا ہر وقت خیال رہتا تھا۔

عبادت جائے نماز اُن کی بالکل الگ تھی۔ سب کے پڑھنے کی جائے نماز الگ تھی۔ اُن کی محل کی جائے نماز ہوتی تھی جس میں بڑی سجدہ گاہ، خوب صورت سی تسبیح، وظائف الابرار، تحفۂ احمدیہ کی جلد دوم، تعقیبات کی کتاب رہتی تھی۔

نماز تو ظاہر ہے خاموشی سے ہی پڑھتی تھیں لیکن دعائیں اور کلامِ مجید کی تلاوت زیارات بلند آواز سے پڑھتی تھیں جو کانوں کو بہت بھلی معلوم ہوتی تھی۔ شبِ جمعہ اور جمعہ کے روز عطر کا استعمال کرتی تھیں اور اگربتی سلگاتی تھیں۔ جائے نماز پر جب بیٹھی ہوتی تھیں انتہائی رعب دار چہرہ ہو جاتا تھا اور انتہائی نورانی معلوم ہوتا تھا۔ نمازِ شب بھی پڑھتی تھیں۔ شبِ جمعہ کو بہت رات تک مشغولِ عبادت رہتی تھیں رمضان المبارک میں سحری کے وقت دعائیں پڑھتی تھیں۔ تلاوت زیادہ تر ظہر کے بعد کرتی تھیں۔

قرآن کی تلاوت اور مطالعہ عام دنوں میں قرآن کی تلاوت وہ صبح اور شام دونوں وقت فرماتی تھیں۔ صبح کو صرف تلاوت اور شام کو تفسیر اور معنی کے ساتھ تلاوت فرماتی تھیں۔ جب کوئی اہم نکتہ آتا تو پاس بیٹھے ہوئے کسی بیٹے یا بیٹی کو پڑھ کر سناتی تھیں۔ اکثر ایسی ایسی آیتیں پڑھتیں جن کی تفسیر بہت دیر تک سنتے رہنے کے باوجود دل چاہتا تھا کہ بیان

کرتی رہیں اور ہم لوگ سنتے رہیں۔

مطالعہ کا شوق انہیں بچپن سے تھا۔ کتابیں انہوں نے ہمیشہ بہت عزیز رکھیں کتابوں کی حفاظت اُن کی جلد بندی وہ خود کرتی تھیں۔ اُن کے مطالعے میں قرآن مجید نہج البلاغہ، احادیث اور تواریخ کی تمام کتابیں رہتی تھیں۔ کبھی کبھی دوپہر میں سونے سے پہلے ناول رسالے بھی پڑھتی تھیں۔ خان محبوب طرزی، شوکت تھانوی، فیاض علی، اے آر خاتون، مسز عبدالقادر، عظیم بیگ چغتائی، علی عباس حسینی، نسیم انہونی کی کتابیں انہیں زیادہ پسند تھیں۔ ابنِ صفی کی ناولیں بھی پڑھتی تھیں شعرا میں اکبر الہ آبادی کا گاندھی نامہ یا کوئی اور مجموعہ پڑھتی تھیں۔ میر انیس اور مرزا دبیر کو تو انہوں نے بچپن سے پڑھا تھا۔

ڈپٹی نذیر احمد، سرسید، غالب، شبلی، شرر کی کتابوں کا انہوں نے گہرا مطالعہ کیا تھا۔ گفتگو میں اکثر سعدی اور شیرازی کے اشعار بھی پڑھتی تھیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فارسی شعرا کا کلام بھی خوب یاد ہے۔

ماہنامہ کامیاب دہلی، ماہنامہ خاتونِ مشرق دہلی، ماہنامہ عصمت دہلی کی باقاعدہ ممبر تھیں اور انھی ماہ ناموں میں اکثر اُن کی نظمیں اور مضامین چھپتے رہتے تھے۔ مذہبی رسالوں میں "نور" مرادآباد۔ "شیعہ" لاہور۔ "سرفراز" لکھنؤ منگواتی تھیں۔

حافظہ

پہلے بھی تذکرہ کیا گیا کہ اُن کا حافظہ بہت اچھا تھا۔ بزرگوں میں جن لوگوں کو دیکھا تھا اُن کے واقعات انہیں بخوبی یاد تھے۔ انہیں اپنے پورے خاندان کے چھوٹے بڑے افراد کے نام یاد تھے اُن کی رشتہ داریاں یاد تھیں۔ انہیں اپنا پورا شجرہ یاد تھا۔ اجداد کے حالات و واقعات، اُن کے جائے مدفن، تاریخ وفات اور سن بھی یاد تھے۔ سینکڑوں اشعار اردو فارسی کے بات بات میں پڑھ دیتی تھیں۔ ہزاروں محاورے، ضرب المثل اور ہندی، اردو، پوربی زبانوں کی کہاوتیں

یاد تھیں، دن بھر میں سینکڑوں کہاوتیں اور مثلیں بات بات میں بول جاتی تھیں۔ کاش وہ سب ٹیپ ہوتا تو ایک خزانہ ہوتا۔ جب کسی نئی کہاوت سننے کا اتفاق ہوتا اور اس کی وجہ تسمیہ پوچھنے پر پورا ایک قصہ سنا دیتی تھیں جو انتہائی دلچسپ ہوتا تھا۔ انہیں ہر بات سن اور تاریخ کے ساتھ یاد رہتی تھی، ہم لوگ بھول جایا کرتے تھے لیکن وہ یاد رکھتی تھیں۔ کلام مجید کے بہت سے سورے مکمل یاد تھے جن میں سورۂ فاتحہ، سورۂ یٰسین، سورۂ رحمان اور تیسواں پارہ مکمل یاد تھا۔ مشہور آیتیں سب مع تفسیر و معنی یاد تھیں۔ حدیث کساء اور آیت الکرسی، امام حسینؑ کی زیارت مبسوطا ور جمیع شہدائے کربلا کی زیارت یاد تھیں

علمی صلاحیت

اپنا شجرہ تو انہیں یاد تھا ہی لیکن انبیاء کے شجرے بھی یاد تھے اور اُن کی رشتہ داریوں کا بیان قرآن کی آیات سے کرتی تھیں۔ ایک بار میں نے اُن سے حضرت موسیٰ کی والدہ کا نام دریافت کیا تو انہوں نے فوراً جواب دیا۔ حضرت موسیٰ کی والدہ کے نام کتابوں میں درج ہیں تم کون سا نام پوچھ رہے ہو۔

انہوں نے جن عنوانات پر مجلسیں پڑھی ہیں اور جو مسودے محفوظ ہیں اُن سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر بلند علم کی مالک تھیں۔ عنوانات ملاحظہ ہوں۔

صبر۔ قصاص۔ دُعائے خلیلؑ۔ وعدہ۔ انگشتری۔ علم۔ مودت اور اجر رسالت معاد۔ رجعت۔ اصحاب کہف۔ عقد۔ عبادت۔ نور۔ ذبح عظیم۔ ثواب گریہ۔ سخاوت۔ ماہ رجب۔ مولود حرم۔ اسلام کی بھرپور جوانی۔ حبل اللہ۔ ذکر علی عبادت ہے۔ جنگ احد قرآن کی روشنی میں۔ میثاق۔ نصرت۔ جن آیات اور احادیث کو زیادہ تر سرنامہ کلام بناتی تھیں وہ بھی ملاحظہ ہوں۔

(۱) وَیُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَیَخَافُوْنَ یَوْماً کَانَ شَرُّہٗ مُسْتَطِیْراً

ویطعمون الطعام علیٰ حبہٖ مسکیناً ویتیماً و اسیراً۔

۲۔ افمن یعلم انما انزل الیک من ربک الحق کمن ھو اعمیٰ
انما یتذکر الا اولوا الالباب

۳۔ قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ

۴۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا

۵ واذ غدوت من اھلک تبوّء المومنین مقاعد للقتال واللہ
سمیع علیم

۶۔ الذین ینفقون فی السراء والضراء والکاظمین الغیظ
والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین۔

۷۔ ان الدین عند اللہ الاسلام

۸۔ وما خلقت الانس والجن الا لیعبدون

۹۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت
ویطھرکم تطھیراً

ان کی مجالس کی سرنامہ کلام احادیث۔

۱۔ انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھل
بیتی۔

۲۔ مثل اھلبیتی کمثل سفینۃ نوح من رکبھا نجیٰ ومن
تخلف عنھا غرق وھویٰ۔

۳۔ فاطمۃ بضعۃ منی

۴۔ حسین منی وانا من الحسین

۵۔ الحسن والحسین سید اشباب اھل جنۃ

۶۔ انا دار الحکمۃ و علیٌ بابھا و انا مدینۃ العلم و علیٌ بابھا

۷۔ زینوا مجالسکم بذکر علی ابن ابی طالب لان ذکرہ ذکری وذکری ذکر اللہ وذکر اللہ عبادۃ

مذکورہ آیات و احادیث جن پر انہوں نے تقاریر کی ہیں اور جو لوگوں کے ذہنوں میں محفوظ ہیں۔ یا اُن کی مسودے کی کتاب میں موجود ہیں درج کی گئی ہیں اُن کی ترتیب دی ہوئی دو حدیثوں کی کتابیں ان شاء اللہ شیعہ خواتین کیلئے شائع کی جائیں گی۔

فنِ خطابت محسنہ بیگم نے اپنے مولوی صاحب کے لکھے ہوئے مسوّدوں سے حدیث پڑھنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس کے علاوہ جواہر البیان، لوایح الحزان، محافل و مجالس، معراج المجالس سے مجالس پڑھتی رہیں۔ بعد میں خود مسودے لکھنے شروع کئے اور سینکڑوں مسودے اُن کے لکھے ہوتے محفوظ ہیں۔ جو اُن کی علمیت کی عکاسی کرتے ہیں۔ ۱۹۵۰ء سے انہوں نے زبانی پڑھنا شروع کیا اور صرف مطالعہ کرنے کے بعد تقاریر کرتی تھیں۔ پھر مسودے تیار کرنا چھوڑ دیئے تھے اور ڈائری میں صرف نکات درج کر لیتی تھیں کچھ عرصے بعد اس محنت و ریاضت کا یہ ثمر ملا کہ بغیر تیاری کے منبر پر پہنچ کر تقریر کا عنوان طے کرتی تھیں اور روانی سے تقریر کرتی تھیں۔ اُن کی مجالس میں مصائب کا حصہ زیادہ ہوتا تھا اور شروع ہی سے اُن کے مصائب پڑھنے کے انداز میں دردانگیزی تھی اور مجالس میں بے انتہا گریہ ہوتا تھا اور یہی مآل مجلس ہے۔ ذاکرین میں جو حضرات کم مصائب پڑھتے تھے۔ اُن کی شکایت اکثر کرتی تھیں کہ آنسو نکلنے والے ہوتے ہیں کہ ذاکرین مجلس ختم کر دیتے ہیں۔

لکھنؤ میں انہوں نے ذاکری اس وقت شروع کی جب وہاں خواتین میں ذاکری کا بالکل رواج نہیں تھا۔ عام طور سے مرثیے پڑھے جاتے تھے۔ یا پھر گھر کی بزرگ خواتین اپنے اپنے گھروں میں خود ہی ذاکری کر لیتی تھیں۔ میرا خیال ہے کہ انہوں نے لکھنؤ کے ہر امام باڑے میں مجلس پڑھی اور پورے سال تک پڑھتی رہتی تھیں اور خدمات کا کوئی صلہ نہیں ہوتا تھا۔ صرف ثواب۔ ! اور مرتے دم تک یہی انداز رہا خواتین میں یہ فنِ خطابت کا پہلا نمونہ تھا۔ اس لئے کہ ان کی ہم عصر خواتین جو ذاکری کرتی تھیں۔ کتاب دیکھ کر ہی پڑھ رہی تھیں۔ اُن کی شہرت پورے لکھنؤ میں ہو گئی اس لئے کہ انہوں نے بڑے معرکے کی مجلس پڑھیں۔

لکھنؤ سے اُن کی شہرت دوسرے مقامات پر پہنچی اور انہوں نے الہ آباد کابپور فیض آباد، ردولی، زیدپور، اناؤ، رائے بریلی میں بھی مجلسیں پڑھیں۔ لیکن باہر جانے کے باوجود انہوں نے ذاکری کی اُجرت لینا پسند نہیں کیا۔ اور یہی وجہ تھی کہ امام حسینؑ کے دربار سے انہیں عزت اور شہرت ملی اور موت نے بتایا کہ یہ خدمت بھی قبول کر لی گئی۔

۱۹۵۸ء میں وہ اپنے بھائی کی شادی میں سیالکوٹ ہندوستان سے تشریف لائی تھیں اور تقریباً گیارہ مہینے پاکستان میں قیام رہا۔ اس قیام کے دوران انہوں نے سیالکوٹ کے علاوہ راولپنڈی، نارووال اور کراچی میں مجلسیں پڑھیں۔ ۱۹۶۷ء سے کراچی ہی میں قیام فرمایا اور یہاں کی مجالس میں آٹھ سال تک ذاکری کرتی رہیں۔

لکھنؤ میں انہوں نے ہر امیر غریب کے یہاں مجلس پڑھا۔ انہوں نے کبھی کسی عزادار خاتون سے انکار نہیں کیا۔ اگر وہ اقبال منزل میں محمود آباد کی چھوٹی رانی صاحبہ کی فرمائش پر اُن کے یہاں مجلس پڑھتی تھیں تو رانی صاحبہ کی ادنیٰ نوکرانی منّن جس کا شوہر رکشہ چلاتا تھا۔ اس غریب کے عزاخانے میں جا کر بھی وہ ہر سال مجلس

پڑھتی تھیں۔ ۷ محرم کو مرحوم محمد مہدی صاحب ادیب کی کوٹھی پر حیدر گنج میں مجلس پڑھتی تھیں۔ سرکار سعید الملتؒ، سرکار نصیر الملتؒ، سرکار کلب حسینؒ، جبیر لکھنوی، نجم الحسن نثار کے سوئم اور چالیسویں کی مجلسیں پڑھیں۔ آقائے بروجردی اعلی اللہ مقامہٗ کے ایصالِ ثواب کی مجلس جو خواتینِ لکھنو کی طرف سے منعقد ہوئی تھی اس میں بھی انہوں نے خواتین سے خطاب کیا۔

عزاداری میں انہماک

محرم کا چاند دیکھ کر سیاہ لباس زیبِ جسم ہو جاتا، چوڑیاں بڑھا دی جاتی تھیں۔ چاند دیکھ کر چیخ چیخ کر روتی تھیں اور عزاخانے کو سجا کر نوحہ پڑھتی تھیں ۔

ماہِ غم نکلا بہتر زخم جب کھائے ہوئے!
فاطمہ نکلیں لحد سے بال بکھرائے ہوئے

محرم کی ۷ تاریخ کو شربت پر نذر کرواتی تھیں اور سب کے گلے میں کلاوا پہناتی تھیں۔ تعزیہ میں گریہ کرتی تھیں۔ شب عاشور عزاخانے میں رات بھر ماتم اور گریہ کرتی تھیں۔ صبح عاشور سر برہنہ بال بکھرائے ہوئے رہتی تھیں۔ کہتی تھیں میں نے اپنے بچوں کو عاشور کے دن کبھی دودھ نہیں پلایا۔" فاقہ شکنی کے وقت اپنا کہا ہوا نوحہ پڑھتی تھیں۔

اے شیعیوں کے مہمان خدا حافظ و ناصر
اے فاطمہ کی جان خدا حافظ و ناصر

نذر کے بعد دسترخوان پر پانی رکھ کر اس قدر روتی تھیں کہ گریہ بین کرو دل پر عجیب کیفیت ہوتی اور میرے بھی آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ یہی عالم شام غریباں میں بھی ہوتا تھا۔

صفر کے مہینے میں یکم سے ۱۳ صفر تک جناب سکینہؑ کی شہادت کی مجالس شروع ہو جاتی ہیں۔ لکھنؤ میں یہ تابوت آدھی رات کے بعد اٹھتے ہیں اور اندھیرے میں بھائے

جاتے ہیں۔ روشنیوں کو گل کر دیا جاتا ہے۔ لکھنؤ کی دو اہم مجلسیں شہادتِ جنابِ سکینہ کی محسنہ بیگم کے ذمّے تھیں اور ہمیشہ پڑھتی رہیں۔

مصطفیٰ آباد میں محسنہ بیگم کے خُسر کی چھوٹی بہن اسیر فاطمہ مرحومہ (اسیرن بی بی) کے گھر پر جنابِ سیّدہ کا تابوت اُٹھتا تھا تین دن تک صبح و شام مجالس ہوتی رہتی تھیں۔ تین دن میں وہ کئی مجالس پڑھتی تھیں اور ایسی قیامت خیز ذاکری کرتی تھیں کہ الفاظ میں بیان کرنا دشوار ہے۔ بس میرے کانوں میں وہ آواز گونج رہی ہے۔

انجمن زینبیہ کی بنیاد انہوں نے رکھی اور شہادتِ جنابِ زینبؑ پر تین روز تک مسلسل مجالس کا انعقاد انہوں نے خود کیا تھا اور یہ مجالس اب تک ہوتی ہیں۔ ۸ ربیع الاوّل کو ابن علی وکیل کے یہاں شام کو ۵ بجے مجلس پڑھتی تھیں اور اس آخری مجلس کو بڑے اہتمام سے پڑھتی تھیں اور اہلِ حرم کی مدینے سے واپسی کچھ اس طرح بیان کرتی تھیں کہ بے حال ہو جایا کرتی تھیں۔ منبر پر سے سنبھال کر اُتارا جاتا تھا۔ چہاردہ معصومین کی ولادت اور وفات پر انہوں نے محافل اور مجالس کا اہتمام کر دیا تھا۔ یہ محافل و مجالس محسنہ بیگم نے پابندی سے جاری رکھیں اور ہمیشہ ڈپٹی نجم عظیم کے امام باڑے وزیر گنج لکھنؤ میں کرتی رہیں اور اسی عزاخانے میں اُن کے انتقال پر ایصالِ ثواب کی مجلس ہوئی۔

قصائد کی محفلوں میں خاص طور سے اُن کو بلند مقام دیا جاتا اور زیادہ تر اُن کو سب سے آخر میں پڑھنے کی دعوت دی جاتی تھی۔ قصائد زیادہ تر ترنّم سے پڑھتی تھیں وہ نوحہ بھی پڑھتی تھیں لیکن بہت کم۔ صرف اپنے گھر پر سوز خوانی اور نوحہ خوانی کے لئے وہ کسی اور کو مدعو کرتی تھیں۔

لکھنؤ میں دھاڑ بن، واشنی نوحہ خوانی خوب کرتی تھیں لیکن اس کے علاوہ

بیگمات میں بھی بہت اعلیٰ پائے کی نوحہ خوان موجود تھیں۔ نواب نتھن صاحب کی بیٹی ریاست بیگم، مجاہد لکھنوی کی بہن حسین فاطمہ، قتیل لکھنوی کی بیٹی جمیلہ بیگم، فضل لکھنوی کی صاحبزادیاں بہت اچھی نوحہ خوانی کرتی تھیں۔ محسنہ بیگم کو بھی ان کی نوحہ خوانی بہت پسند تھی۔

مردانی مجالس بھی وہ ضرور سنتی تھیں اور پرانے ذاکرین میں حافظ کفایت حسین ذوالفقار علی شاہ صاحب، مولانا کلب حسین صاحب، ابن حسن نونہروی صاحب اور ملا طاہر صاحب کی خطابت اُن کو بہت پسند تھی۔ نئے ذاکرین میں مولانا مظفر حسین طاہر جرولی صاحب، مولانا کلب عابد صاحب، مولانا کلب صادق صاحب اطہر میاں اور اشفاق میاں اور مولانا غلام عسکری صاحب اُن کے پسندیدہ ذاکرین تھے۔

مولانا ذوالفقار علی شاہ صاحب محسنہ بیگم کے دادا سید مظہر حسین مرحوم کے دہیے کی مجلس پڑھنے ہر سال قیام پاکستان سے پہلے سلطان پور جاتے تھے۔ صفر کے مہینے میں لکھنؤ سے مولانا کلب حسین صاحب وغیرہ بھی سلطان پور مجالس پڑھنے کے لئے اُن کے والد کے دعوت نامے پر جایا کرتے تھے۔ سلطان پور کی عزاداری سید ظفر عباس مرحوم کے دم سے تھی جب وہ پاکستان چلے آئے تو خطوط میں یہی لکھ کر آتا کہ آپ کے جانے کے بعد سلطان پور یتیم ہو گیا۔

لکھنؤ کی مردانی مجالس میں خاص کر غفرانمآب کے امام باڑے اور ناظمیہ مدرسہ کی مجالس میں وہ ضرور شرکت کرتی تھیں اور جہاں پر خواتین کے بیٹھنے کا انتظام ہوتا تھا اُن مقامات کے علاوہ کھلی جگہ پر بیٹھنا وہ معیوب سمجھتی تھیں جب کہ دیگر خواتین کھلی جگہوں پر بیٹھ جایا کرتی تھیں اور کلب حسین صاحب ہر سال اپیل کرتے تھے کہ آپ لوگ اندر بیٹھا کریں۔ محسنہ بیگم کے والد سید ظفر عباس بھی بہترین ذاکر تھے اور اُن کی مجالس بھی انہیں پسند تھیں۔

قدر و منزلت

لکھنؤ کی خواتین میں محسنہ بیگم کا احترام بالکل اس طرح ہوتا تھا جس طرح ایک مجتہد اور عالم کا احترام کیا جاتا ہے۔ مجلس کے بعد خواتین ان کے ہاتھ چومتی تھیں۔ بزرگ خواتین بعد مجلس چٹاچٹ بلائیں لینا شروع کر دیتی تھیں اور ہزاروں دعائیں اُن کو دیتی تھیں۔ محسنہ بیگم کے منع کرنے کے باوجود خواتین انہیں لینے آجاتی تھیں اور بعد مجلس پہنچانے گھر تک آتی تھیں۔ رانی کٹھوارہ مرحومہ سے بہت محبت فرماتی تھیں انھیں لینے کے لئے خود تشریف لایا کرتی تھیں۔ مسعود حسن ادیب کی بیگم صاحبہ مرحومہ مجلس کا وعدہ لینے خود آتی تھیں اور مجلس کے لئے لینے بھی خود ہی آیا کرتی تھیں۔ بڑی عظیم خاتون تھیں بیگم ادیب، انیس کے مرثیوں کے سینکڑوں اشعار زبانی یاد تھے۔ ضیاالحسن موسوی کی بہن وزیر جہاں کے یہاں کی تمام سالانہ مجالس خیرات خانے میں محسنہ بیگم پڑھتی تھیں۔ وزیر جہاں صاحبہ مجلس کا وعدہ لینے کے لئے خود آیا کرتی تھیں۔ موصوفہ پاکستان تشریف لائیں تو جب ان سے ملنے کے لئے آئیں تو بے قراری سے گلے لپٹ گئیں اور فرمایا کہ لکھنؤ آپ کے بغیر سُونا ہو گیا ہے۔

لکھنؤ کے جس گھر میں بھی محسنہ بیگم تشریف لے جاتی تھیں میں نے دیکھا کہ خواتین کے چہروں پر بے پناہ خوشی ہوتی تھی اور صرف محاورتاً نہیں بلکہ حقیقتاً آنکھیں بچھا دیتی تھیں۔ لکھنؤ کے جن گھروں میں آنا جانا تھا اُن گھروں کی خواتین نے محسنہ بیگم کے بیٹوں سے کبھی پردہ نہیں کیا اور ان میں کے جو لوگ پاکستان آگئے ہیں اُن کے تعلقات میں اب تک کمی نہیں آئی۔ اور وہ وضع داریاں اب تک قائم ہیں۔

احباب و سہیلیاں

محسنہ بیگم کے بچپن کی سہیلی سکینہ بیگم ہیں جو مفتی محمد ہادی صاحب مرحوم سلطان پوری کی بہو ہیں۔ اور عارف رضا اور وفق رضا کی والدہ ہیں۔ اس کے علاوہ لکھنؤ کے احباب میں بیگم مفتی

احمد علی اعلی اللہ مقامہ اُن سے بہت محبت فرماتی تھیں اور جب پاکستان تشریف لائیں تو ملاقات کے لئے تشریف لائیں۔ محسنہ بیگم ہر شب جمعہ ان کے یہاں لکھنؤ میں مجلس پڑھتی تھیں۔ بیگم شاہ علی وکیل اور بیگم عطا حسین وکیل یہ دونوں خواتین محسنہ بیگم سے انتہائی خلوص کا مظاہرہ کرتی تھیں اور اُن کا احترام فرماتی تھیں۔

ڈاکٹر رفیق حسین صاحب کی بیگم قیصر بیگم صاحبہ اور ڈاکٹر طہ صاحب کی بڑی بیگم بھی اُن کی خاص دوست تھیں۔ نواب نور جہاں بیگم اور سات سو والی بیگم کی بہو بھی اُن کی عزیز دوست تھیں۔ پیلی کوٹھی والی بیوی جانی صاحبہ بڑی مذہبی خاتون ہیں اُن سے بھی بہت دوستی تھی اور انتقال کے روز دوپہر سے اُن کے ساتھ تھیں۔ بیگم علی عباس حسینی، بیگم خواجہ اطہر حسین سابق پرنسپل شیعہ کالج لکھنؤ، ڈپٹی محمد عظیم صاحب کی نواسی بیگم باجی بھی اُن کے حلقۂ احباب میں داخل تھیں۔

بہنوں سے محبت

محسنہ بیگم سے چھوٹی چار بہنیں ہیں عسکریہ بیگم، مہدیہ بیگم (مرحومہ) نقیہ بیگم، رضیہ بیگم۔ محسنہ بیگم کی بہنوں نے انہیں ماں کی طرح ہمیشہ سمجھا اور اُسی طرح احترام کیا۔ محسنہ بیگم نے بھی بہن اور ماں دونوں کی محبت سے انھیں خوش رکھا۔ محسنہ بیگم اپنے والد کا بڑا احترام کرتی تھیں اس قدر احترام کرباپ کے سامنے سر پہ دوپٹہ پڑا ہوا۔ خاموش گفتگو، نہایت نیچی آواز سے۔ ان آداب کا احترام اُن کے والد کرتے اور وہ بھی محسنہ بیگم سے ہمیشہ "آپ" سے گفتگو کرتے تھے۔ اور خطوط کے ذریعے اُن سے اکثر مشورہ کرتے تھے۔ خاص کر محسنہ بیگم کی چھوٹی بہنوں کی شادی کے سلسلے میں اُن سے پوچھا۔ اور مہدیہ بیگم مرحومہ کی شادی محسنہ بیگم کی مرضی سے مرحوم قمر رضا نقوی سے ہوئی۔ مہدیہ بیگم مرحومہ سے محسنہ بیگم کو بہت محبت تھی۔ مہدیہ بیگم نے تقریباً تین سو نوحے نظم کیے جو محرم میں بہت

مقبول ہیں اور پڑھے جاتے ہیں۔ مہدیہ بیگم نے ۲۸ سال کی عمر میں جھنگ (پنجاب) میں انتقال فرمایا اور تین اولادیں یادگار چھوڑیں۔ بیٹی کی شادی ڈاکٹر سبط حسن کے چھوٹے بھائی یاور حسین سے ہوئی ہے۔ ایک بیٹا اپنے ماموں کے پاس راولپنڈی میں رہتا ہے۔ دوسرا سب سے چھوٹا بیٹا قاسم رضا عرف کشتی محسنہ بیگم کے پاس تھا اور اس سے محسنہ بیگم کو بہت محبت تھی۔ اور اب تک اُس کا قیام محسنہ بیگم کے گھر میں ہے۔ مہدیہ بیگم کا انتقال جھنگ (پنجاب) میں ہوا۔ مرحومہ بڑی مومنہ بی بی تھیں۔ میر انیس کا مرثیہ تحت اللفظ بہت عمدہ پڑھتی تھیں۔ ان کی شادی خاندان میں ہی ہوئی تھی۔ اُن کے انتقال کے ایک سال بعد ان کے شوہر سید قمر رضا نقوی کا بھی انتقال ہو گیا۔

محسنہ بیگم کی چھوٹی بہن مہدیہ بیگم اور نقیہ بیگم سے بڑی ہیں اُن کا قیام لکھنؤ میں ہے۔ ابھی حال میں اچانک اُن کے شوہر سید مہدی حسن جعفری کا انتقال لکھنؤ میں ہو گیا۔ مرحوم سب انسپکٹر پولیس تھے۔ عسکریہ بیگم کا سب سے بڑا بیٹا سید جاوید حسن جعفری ہندوستان آرمی میں کیپٹن ہے۔ عسکریہ بیگم کا قیام پہلے الہ آباد میں تھا۔ محسنہ بیگم بہن کی دعوت پر سال میں ایک بار مجلس پڑھنے الہ آباد ضرور جاتی تھیں۔

نقیہ بیگم کو مرحومہ نے بہت عزیز رکھا۔ اس لئے کہ ماں کے انتقال کے وقت بہت کمسن تھیں۔ محسنہ بیگم نے بہنوں کو ماں جیسا پیار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ بہنوں نے بھی انہیں ہمیشہ ماں کی جگہ سمجھا۔ نقیہ بیگم کی شادی سید محمد حیدر زیدی (ساداتِ مظفر نگر) میں ہوئی ہے اور اب اُن کا قیام راولپنڈی میں ہے۔ بہن کے انتقال کی خبر سنتے ہی فوراً راولپنڈی سے بذریعہ ہوائی جہاز تشریف لائیں۔

رضیہ بیگم سب سے چھوٹی بہن ہیں۔ ان کی شادی ساداتِ امروہہ میں سید حسن مجتبیٰ نقوی سے ہوئی ہے اور ان کا قیام پشاور میں ہے۔

بھائیوں سے محبت

محسنہ بیگم کے ماشاء اللہ سے چھ بھائی ہیں۔ مظاہر عباس نقوی نے اردو، انگریزی میں ایم اے کیا۔ ابھی حال ہی میں ایل ایل بی بھی کیا ہے۔ حبیب اسکول میں اردو اور انگریزی کے استاد ہیں۔ بھائیوں میں سب سے بڑے اور چار بہنوں سے چھوٹے ہیں اس لئے محسنہ بیگم کو ان سے بڑی محبت تھی۔ اور فرماتی تھیں۔ میں نے اپنے اس بھائی کے بڑے ناز اٹھائے ہیں۔

مظاہر عباس سے چھوٹے شاہد عباس ہیں۔ پاکستان آرمی میں میجر کے عہدے پر فائز ہیں۔ آج کل سیالکوٹ میں قیام ہے۔ جنگ ۱۹۷۱ء میں محسنہ بیگم پنڈی میں تھیں اور روزانہ فریادی نوحہ پڑھتی تھیں اور بھاوج کی چوڑیاں چوم کر سہاگ کی دعائیں دیتی تھیں۔

منتظر عباس نے فلسفے میں ایم اے کیا ہے۔ "نہج البلاغہ" پر پی ایچ ڈی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ راولپنڈی کی مجلسوں میں ان کی تقاریر سے رونق ہے۔ اپنے والد کی طرح ملازمت کے ساتھ ساتھ خدمتِ دین بھی کر رہے ہیں۔ محسنہ بیگم کے سفر آخرت کی آخری منزل یعنی قبر میں منتظر عباس نے اتارا تھا۔ اور سوئم کی مجلس بھی انہوں نے ہی پڑھی تھی۔ اور ابھی تین بھائی ناظر عباس، کاظم عباس، اور اشتر عباس ہیں۔

سہاگ اور اولاد

محسنہ بیگم کو شوہر سے بہت محبت تھی۔ مجھے اپنے بچپن کا ایک واقعہ یاد آتا ہے۔ ایک بار تخت پر بیٹھی کپڑے سی رہی تھیں۔ وہاں پر سوئی رکھی تھی میں دوڑ کر تخت پر سے کودا تو میرے پاؤں میں سوئی چبھ گئی۔ خون نکل آیا اور ان کے جمپر کے کپڑے میں لگ گیا۔ میں نے کہا اس پر میرا خون لگ گیا ہے اس لئے اس کپڑے کو پھینک دیجئے۔ آپ کا یہ نیا جمپر اب منحوس ہو گیا ہے۔ مسکرا کر جواب دیا..... کیوں پھینک

دیں... ہمارا جمپر سرخ رنگ کی چنریا بن گیا.... یہ تو سہاگ کی نشانی ہے۔ انہوں نے ہمیشہ یہ دعا مانگی کہ میری موت شوہر کے سامنے ہو اور میں اس دنیا سے سہاگن جاؤں۔ ان کی دعا قبول ہوئی۔ بقول میر انیس۔ ع

"عورت کی موت خوب ہے شوہر کے سامنے"

اولاد کی تعلیم و تربیت

محسنہ بیگم کے فرزند اکبر سید محسن اختر نقوی ہیں۔ ۱۳ سال کے سن میں جوبلی اسکول سے میٹرک پاس کیا۔ انٹر جوبلی انٹر کالج سے پاس کیا۔ یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا تھا کہ اچانک کراچی آگئے اور والد صاحب کے حکم سے یہیں قیام کیا۔ ڈی جے سائنس کالج سے بی ایس سی کیا۔ ۱۹۶۵ء میں کراچی یونیورسٹی سے فزکس میں ایم ایس سی کیا اور فرسٹ پوزیشن حاصل کی۔ راجہ صاحب محمود آباد کی فرمائش پر کچھ دنوں سراج الدولہ کالج میں طلبہ کو فزکس اور انگریزی کی تعلیم بھی دی۔

محسنہ بیگم کا دوسرا فرزند میں ہوں۔ لوگ کہتے ہیں اتنی کم عمری میں مجھے جو شہرت حاصل ہوئی ہے۔ لوگوں کو ۵۰ سال میں بھی حاصل نہیں ہوتی۔ لیکن میں اپنی اس شہرت سے عاجز ہوں اس لئے کہ جس قدر مداح اور قدردان ہیں اتنے ہی حاسد اور دشمن بھی ہیں اور اکثر میری یہ شہرت اور عزت میرے لئے باعث زحمت بھی بن گئی ہے اور بن جاتی ہے اس کا تذکرہ اکثر میں نے اپنی والدۂ گرامی سے بھی کیا لیکن ان کی ہدایت پر میں نے دین کی خدمت سے منہ نہیں موڑا۔ جس زمانے میں میر انیس پر تحقیقی کام جاری تھا اور رات دن کی محنت کے بعد ایک ہفتے میں میر انیس کی سوانح حیات اور انشائیے میں نے ترتیب دیئے۔ میں نے اس زمانے میں سارے کام کاج ملنا جلنا سب ایک ہفتے کے لئے ترک کر دیا تھا۔ ایک دن دوپہر کو میں لکھ رہا تھا امی جان باورچی خانے میں کھانا پکا رہی تھیں۔ کھانا تیار ہو چکا تھا اور چٹنی کا سامان منگوانا

چاہتی تھیں۔ لیکن یہ بھی اندازہ تھا کہ میں اپنی جگہ سے اٹھوں گا نہیں دیکھیے کس ترکیب سے بلایا.... آواز دی میرے پاس آؤ ایک ضروری بات ہے۔ میں جاکر باورچی خانے میں ان کے پاس بیٹھ گیا۔ کہنے لگیں "بڑا عرصہ ہوا جب ہم نے ایک مرثیہ میر انیس کا پڑھا تھا اس کے بند یہ ہیں تم کو سناتی ہوں ذرا بتاؤ یہ کون سا مرثیہ ہے۔

یارب یہ ہے سادات کا گھر تیرے حوالے
رانڈیں ہیں کئی خستہ جگر تیرے حوالے
بیکس کا ہے بیمار پسر تیرے حوالے
سب ہیں ترے در یکے گہر تیرے حوالے
عالم ہے کہ غربت میں گرفتارِ بلا ہوں
میں تیری حمایت میں انہیں چھوڑ چلا ہوں

میں نے کہا "یارب چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر" کہنے لگیں اچھا یہ کون سا مرثیہ ہے؟

گویا فضا یہ سرد ترائی ہے اب اٹھو
ہم جاں بلب ہیں ختم لڑائی ہے اب اٹھو
نرغے میں فوجِ ظلم کے بھائی ہے اب اٹھو
عباس دھوپ چہرے پہ آئی ہے اب اٹھو
غفلت کی تم کو نیند ہے شبیر کیا کرے
میری طرح کسی کو نہ بیکس خدا کرے

میں نے کہا یہ مرثیہ ہے۔ "جب خاتمہ بخیر ہوا فوجِ شاہ کا" فرمانے لگیں اچھا میں نے بلایا اس لئے ہے کہ کھانا تیار ہے۔ چٹنی کے لئے ٹماٹر دھنیا اور ہری مرچیں لے آؤ پھر آکر کھانا کھاؤ پھر بیٹھ کر کام کرنا۔ تمہیں تو کھانے پینے کا ہوش ہی نہیں رہا ہے۔ میں خوب ہنسا۔ میں نے کہا آپ نے دراصل اس لئے بلایا تھا۔

جب میر انیس شائع ہوا تو محرم کی دوسری تاریخ تھی۔ بعدِ جہلم انہیں پڑھنے کا موقع ملا اور پڑھ کر فرمایا۔ آج مجھے اندازہ ہوا کہ صحیح معنوں میں ضمیر نے کس قدر محنت کی ہے۔ اور کیسا اچھا کام کیا ہے۔ ان کی تربیت کا یہ انداز تھا جس کے لئے

اب زندگی بھر ترسیں گے اور کسی کام کو کرتے وقت اب وہ لطف اور اطمینان حاصل نہ ہوگا۔ علامہ رشید ترابی مرحوم کا انتقال ہوا۔ صبح نماز کے وقت مجھے بیدار کیا اور کہنے لگیں ابھی ابھی مسجد میں اعلان ہوا ہے کہ ترابی صاحب کا انتقال ہو گیا اٹھ کر مجھے اُن کے والد کا نام بتاؤ تاکہ ہدیۂ میت کی نماز پڑھوں اور تم بھی ہدیۂ میت کی نماز پڑھواور اپنے باپ کو لے کر نصیر کے پاس جاؤ اور اسے پُرسہ دو۔ میں نے اٹھ کر ڈاکٹر مظہر علی خاں سے متعلق محلے سے اُن کے والد کا نام بتایا انہوں نے فوراً نمازِ ہدیۂ میت پڑھی۔ اکتوبر ۱۹۶۰ء میں راجہ صاحب محمود آباد کے انتقال کی خبر رات کو دس بجے کے قریب آئی تھی۔ میں جب گھر پہنچا تو وہ آرام فرمانے کے لئے لیٹ چکی تھیں۔ میں نے انہیں خبر سنائی وہ اٹھ کر بیٹھ گئیں، اپنے سینے پر ہاتھ مارا اور رنج کا اظہار کیا اور اُسی وقت اٹھ کر نماز ہدیۂ میت پڑھی۔ میں نے بچپن سے یہی انداز دیکھے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب ہم لوگوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام تھا۔

محسنہ بیگم کے تیسرے فرزند تنویر اختر ہیں۔ کھانے کی میز پر روزانہ کوئی نہ کوئی مذہبی بحث چھڑ جاتی اور مرحومہ ایک ایک بات تفصیل سے سمجھاتی تھیں یہ بحث زیادہ تر تنویر اختر سے ہوتی تھی۔ تنویر اختر سوامی آٹو میں ملازم ہیں یہ شرعی باتوں کے سختی سے پابند ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب سے سبزہ نمودار ہوا ہے اُس وقت سے اب تک چہرے پر ڈاڑھی برقرار ہے

محسنہ بیگم کے تینوں بیٹوں سے چھوٹی تین بیٹیاں ہیں۔ ایک بیٹی شہناز نقوی نے اردو میں ایم اے کیا ہے اور میر انیس پر کراچی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کر رہی ہیں۔ اور ذاکری بھی فرماتی ہیں۔ شہناز نقوی سے چھوٹی ثمینہ ہیں جو بی اے کر چکی ہیں اور اس سال سوشیالوجی میں کراچی یونیورسٹی سے ایم اے کر رہی

ہیں اور ماشاءاللہ سے ذاکری امام حسینؑ بھی خوب کر رہی ہیں۔

محسنہ بیگم کی سب سے چھوٹی اولاد نسرین نقوی ہیں۔ سرسید گرلز کالج میں فرسٹ ایئر میں پڑھ رہی ہیں۔ نوحہ خوانی اور سوزخوانی سے خاص شغف ہے۔

محسنہ بیگم کی خالہ صاحبہ کا پیغام تعزیت

محسنہ بیگم کی سب سے بڑی خالہ جو حیات ہیں اور بہت ضعیف ہو چکی ہیں سید محمد وصی نقوی کی اہلیہ ہیں۔ مصطفےٰ آباد بھارت میں قیام ہے۔ ان کا پیغام تعزیت محسن اختر نقوی ٹیپ کر کے کراچی لائے مقصود یہاں درج کیا جاتا ہے۔ فرماتی ہیں۔

"محسنہ بی بی! تم ہم لوگوں سے کیوں روٹھ گئیں

اللہ نے تم کو آل اولاد، شہرت، دولت، منزلت سب

کچھ دیا تھا۔ بی بی اپنی سلطنت چھوڑ کر کیوں

چلی گئیں۔!؟"

وجہ انتقال

ڈاکٹر شریعت اللہ صدیقی نے مکمل چیک کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ ایک گھنٹے کے اندر تین بار ہارٹ اٹیک ہوا اور حرکتِ قلب بند ہو جانے سے اچانک انتقال ہوا۔ ڈاکٹر یاور عباس صاحب اور بعد میں ڈاکٹر ذیشان حسین صاحب بھی تشریف لائے اور انہوں نے بھی یہی فیصلہ کیا۔

یہ تو موت کی مادّی وجہ ہے روحانی وجہ شاہد نقوی صاحب کی زبانی سنیئے

اتنی شدت سے کیا محسوس غم شبیرؑ کا!

جیسے اس کا فرض ہو رونا، بجائے سیّدؑ

مدفن جنت البقیع میں آخری آرام گاہ کا انتخاب کیا گیا ہے اور وہیں محوِ خواب ہیں۔ اس قبرستان کی اہمیت یہ ہے کہ روضہ جناب سیدہؑ کی شبیہ ہے اور روضے میں قبرِ سیدہؑ کی مٹی دفن کی گئی ہے۔

تاریخِ وفات

۸ ربیع الاوّل ۱۳۹۴ھ مطابق ۲ اپریل ۱۹۷۴ء بروز منگل ۵ بج کر ۱۰ منٹ پر بمقام ۴ ایچ رضویہ سوسائٹی اپنے مکان کے عزاخانے میں **فرشِ عزا** پر انتقال فرمایا۔ یہ دن ایامِ عزا کا آخری دن ہے اور یومِ شہادتِ امام حسن عسکری علیہ السلام ہے۔

برسی محنہ بیگم کی برسی ۲۱ مارچ ۱۹۷۵ء مطابق ۸ ربیع الاوّل ۱۳۹۵ھ بروز جمعہ شام کو ۹ بجے رضویہ امام بارگاہ میں ہوگی۔ مجلس سیدالشہدا میں شاہد نقوی صاحب اپنا مرثیہ بعنوان "ماں کا دل" پیش کریں گے۔ شاہد نقوی نے اس مرثیے میں عظیم ماؤں کے تذکرے کے ساتھ مصائب میں حضرت ام البنینؑ کا فاطمہ زہرا کی قبر (جنت البقیع) پر پہنچ کر جناب عباس کا پُرسا دینے کا تذکرہ بہت خوبصورت انداز سے کیا ہے

دربارِ سیدہ میں باریابی

• سید بادشاہ حسین ورد الہ آبادی •

مقبولیت کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوگی کہ عین اس وقت جبکہ مرحومہ ۸ ربیع الاول کی شام کو فرش عزائے امام مظلوم بچھا چکی تھیں اور مجلس شروع ہو چکی تھی خود خاتونِ محشر آ کر انہیں عالمِ بالا کی طرف مجلس کو زینت دینے کے لئے لے گئیں۔ میری یہ تخیل شاعرانہ نہیں ہے بلکہ میرا عقیدہ ہے کہ مرحومہ کی مقبولیت بارگاہِ عصمت میں یقیناً ہوئی۔ میرے اس خیال کو تقویت ایک خواب سے ہوتی ہے جسے میری ایک لڑکی نے دیکھا تھا۔ جو مختصراً درج ذیل ہے۔

میری لڑکی عابدہ خاتون صغر سنی میں لکھنؤ میں رہتی تھی اور اکثر مرحومہ کے ساتھ مجلسوں اور محفلوں میں شریک ہوا کرتی تھی اور بہت زیادہ ان سے مانوس تھی۔ جب اس کی شادی ہوئی تو وہ مستقلاً پاکستان چلی آئی تھی۔ چنانچہ اب اس کا قیام ٹنڈو جام میں ہے۔ میری اس لڑکی کا سب سے بڑا لڑکا جس کا نام محسن تھا دس برس کا ہو کر مرحومہ کے انتقال سے ایک برس پیشتر اللہ کو پیارا ہو گیا۔ سب سے پہلی اولاد جب اللہ نے چھین لی تو ماں کے دل پر جو گزری وہ بیان تو کیا نہیں جا سکتا۔ صرف وہ ماں ہی اس کا احساس کر سکتی ہے جو اپنی اولاد کے غم میں سوگ نشین رہ چکی ہو۔ چنانچہ میری لڑکی کو اپنے

مرحوم بچے کا خیال ہر وقت رہتا تھا اور وہ دعا مانگتی تھی کہ یا اللہ میرے بچے کو مجھے دکھلا دے۔ چنانچہ ایک شب ذی الحجہ کی کسی تاریخ کو اسی لڑکی نے اپنے بیٹے محسن کو خواب میں دیکھا کہ آئے ہیں اور مجھے کہیں لے گئے ہیں جہاں مجلس ہو رہی ہے۔ بہت سے لوگ جمع ہیں اہلیہ ظہیر حسن صاحب بھی موجود ہیں۔ میں نے پوچھا "یہ بی بی کون ہیں جو اس قدر رو رہی ہیں" انہوں نے جواب دیا "یہ جناب سیدہ ہیں جو اپنے فرزند کا ماتم کر رہی ہیں۔" محسن نے ہم سے کہا کہ ہم یہاں رہتے ہیں۔"

اب مجھ حقیر کا یہ خیال ہے کہ میرا نواسہ دس سال کا تھا جب فوت ہوا لہٰذا نابالغ اور معصوم تھا۔ مرنے کے بعد یقیناً اسے ایسی جگہ ملی ہو گی جہاں معصومین کا قرب ہو گا۔ جب اسی جگہ ظہیر صاحب کی اہلیہ مرحومہ دکھائی دیں تو میں یقین کرتا ہوں کہ مرحومہ معصومین کے زیر سایہ پہنچ گئیں اور مودت اہل بیتؑ کا صلہ انہیں مل گیا۔ خدا ہر مومن و مومنہ کا انجام یونہی بخیر کرے آمین۔

والدۂ مرحومہ کی یاد میں

تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایۂ عزت ہوا

دفترِ ہستی میں تھی زرّیں ورق تیری حیات
تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات

عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر

—— اقبال

زرّیں ورق تیری حیات

سیّد محسن اختر نقوی

موت ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ موت اپنی ہو یا کسی اور کی، اس کا خیال اٹھتے بیٹھتے انسان کو رہتا ہے۔ اگر شعوری طور سے نہیں تو تحت الشعور میں۔ اسی لئے اپنے قریب ترین عزیز کی موت پر بھی انسان کو صبر آ ہی جاتا ہے — لیکن اس سب کے باوجود کچھ شخصیات ایسی ہوتی ہیں کہ جن کے متعلق لوگ موت کا خیال ہی نہیں کرتے۔ کچھ لوگوں کی زندگیاں اس قدر غیر معمولی حد تک فعال ہوتی ہیں کہ وہ لافانی معلوم ہوتے ہیں۔

ہماری امی جان کی زندگی بھی ایسی ہی تھی اور ان کی موت بھی ایسی ہی تھی۔

میں اپنی یادوں کی کتاب کے اوراق پلٹتا ہوں۔

پہلا صفحہ — لکھنؤ کے محلہ وزیر گنج کا ایک دو منزلہ مکان ہے — امی جان صبح سویرے نماز پڑھنے کے بعد نیچے سے لکڑیاں اٹھا کر لاتی ہیں۔ اب وہ چولھا جلا رہی ہیں۔ میں بیٹھا ہوا ان کو کھانا پکاتے دیکھ رہا ہوں۔

دوسرا صفحہ — امی جان مجھے اردو کی پہلی کتاب پڑھا رہی ہیں۔

تیسرا صفحہ ـــــ امی جان مجھے قصائد اور رُباعیاں یاد کرا رہی ہیں مجھے تحت اللفظ پڑھنا سکھا رہی ہیں تاکہ میں محرم میں مجالس میں پڑھوں۔

چوتھا صفحہ ـــــ میں اسکول جا رہا ہوں۔ امی مجھے تیار کر رہی ہیں۔

پانچواں صفحہ ـــــ میرا چھوٹا بھائی تنویر اس وقت کوئی ۶۔ ۷ سال کا ہوگا کھیلتے کھیلتے گر پڑا اور کلائی کی دونوں ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔ قریب تھا کہ کھال پھٹ جاتی اور دونوں ہڈیاں باہر نکل آتیں۔ امی جان نے دیکھا اور بڑے استقلال سے تنویر کے ہاتھ کو ایک جھٹکے سے سیدھا کر کے رومال باندھ دیا۔ نہ وہ پریشان ہوئیں، نہ انہوں نے پڑوسیوں کو آواز دی۔ میں اسکول میں تھا۔ امی جان تنویر کو اکیلے ہی ہاسپٹل لے گئیں اور اس کا ہاتھ بندھوا کر گھر آ گئیں۔

چھٹا صفحہ ـــــ کل ۲۲ رجب المرجب ہے۔ آج امی جان رات بھر جاگ کر نذر کا سامان تیار کریں گی۔ میں ہر سال ارادہ کرتا ہوں کہ رات کو جاگ کر امی جان کو سب کچھ کرتے ہوئے دیکھوں گا۔ لیکن میں ہمیشہ سو جاتا ہوں۔ آج میں ضرور جاگوں گا۔ لیکن یہ کیا؟ آنکھ کھلی تو صبح ہونے والی ہے۔ میں فرش پر سو گیا تھا۔ سامنے تخت پر نذر کا سامان چُنا ہوا ہے۔ ۲۲ رجب کی نذر میں ہمارے یہاں کھیر خاص چیز ہوتی ہے اور امی جان بڑے اہتمام سے رات بھر کھیر پکاتی ہیں۔ اس سال بھی کچھ ایسا ہی ہوا ہے۔ ہم لوگ صبح کی نماز پڑھ کر فرش پر بیٹھ جاتے ہیں ـــــ اگر بتی کا دھواں کمرے میں لہراتا بل کھاتا اوپر اٹھ رہا ہے۔ امی جان بڑے لحن سے امام جعفر صادق علیہ السلام کا معجزہ نظم میں پڑھ رہی ہیں۔ نہ جانے یہ امی جان کی پُر عقیدت آواز کا اثر ہے یا میرے تصور کا اعجاز۔ مجھے پوری روایت جیتی جاگتی نظر آ رہی ہے۔ ایسا ہر سال ہوتا ہے۔

ساتواں صفحہ ـــــ آج شبِ نیمہ شعبان ہے۔ آج امی جان رات

بھر نمازیں پڑھیں گی۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا مجھے نہیں یاد پڑتا کہ کبھی امی جان کی نماز قضا ہوئی ہو۔ اس کے باوجود وہ شب ۱۵ شعبان اور شب ۲۳ رمضان رات رات بھر نمازیں پڑھتیں۔ رمضان میں پورے روزے رکھتیں اور ان کے معمولات میں کوئی فرق نہ آتا۔ ویسے ہی گھر میں کھانا پکانا۔ صفائی کرنا اور اس کے ساتھ ساتھ معمول سے زیادہ نمازیں پڑھنا۔

آٹھواں صفحہ ـــــ محرم آتا تو امی جان کی مصروفیات میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا۔ گھرداری بھی ویسے ہی کرتیں اور اس کے ساتھ ساتھ بے شمار مجالس پڑھتیں۔ شروع شروع میں امی جان کتاب سے دیکھ کر مجلسیں پڑھتیں۔ پھر وہ اپنے مضامین خود لکھ کر پڑھتیں اور آخر میں یہ ہو گیا تھا کہ وہ باقاعدہ تقاریر کرتیں اور ان کی تقاریر اس پایہ کی ہوتی تھیں کہ اگر یہ بتایا جاتا کہ یہ ذاکرہ نہ کبھی اسکول گئی اور نہ اس کو کبھی کسی استاد نے فنِ خطابت میں سبق دیا تو سننے والے شاید یقین نہ کرتے اگر یہ کہا جاتا کہ امی جان لکھنؤ کی زنانی مجالس میں **ذاکری** کی بانی تھیں تو مبالغہ نہ ہوگا۔

امی جان نے جب ہوش سنبھالا تو اس وقت سادات کے گھرانوں میں یہ بات انتہائی معیوب سمجھی جاتی تھی کہ بیٹیاں تعلیم کی غرض سے اسکول کالج جائیں۔ بس گھر میں معمولی اردو فارسی کی تعلیم ہو جاتی تھی۔ اور اسی قسم کی بنیادی تعلیم امی جان کو بھی ملی۔

اگر امی جان کو باقاعدہ تعلیم کا موقع ملتا تو وہ یقیناً اپنے شعبے یا مضمون میں اعلیٰ ترین مقام حاصل کرتیں۔

گھر کے ماحول نے ان کی تمام تر صلاحیتیں مجالس و ماتم پہ مرکوز کر دیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صرف ان کی ذاکری میں فنِ خطابت بدرجۂ اتم موجود تھا بلکہ یہ کہ شعر و شاعری

میں ان کی جو دلچسپی تھی ۔ اس نے بھی مدح اہل بیت کا رنگ اختیار کر لیا۔ امی کے قصائد اور ماتم میں الفاظ اور ان کی ترکیب کی خوش سلیقگی کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔ ایسے الفاظ سے ہمیشہ احتراز کرتیں جو مستعمل ہوتے ہوئے بھی فصیح زبان میں شمار نہیں ہوتے۔

۱۹۵۸ء میں، میں لکھنؤ سے کراچی آگیا اور یادوں کا یہ سلسلہ جیسے لکھنؤ اور کراچی کے طویل جغرافیائی فاصلوں میں گم ہو کر رہ گیا۔ امی جان میرے لئے ایک خواب سا بن کر رہ گئیں۔ ایک خوش گوار خواب جو طویل بھی تھا۔ امی جان میرے پاس ہوتیں، ہر وقت ہوتیں۔ میری کامیابیوں پر شاباشی دینے کے لئے۔ میری ناکامیوں پر دلاسا دینے کے لئے۔ پریشانیوں میں میرا دل بڑھانے کے لئے۔ میں امتحان دینے جا رہا ہوں تو معلوم ہوتا وہ میرا بازو پکڑے نادِ علی پڑھ رہی ہیں رمضان آتا تو یوں لگتا کہ ہر روز مجھے سحری کے لئے جگاتی ہیں۔ شب برات آتی تو یوں لگتا کہ صبح مجھے اٹھا کر کہہ رہی ہیں۔ "جاؤ دریا پہ۔ عریضہ ڈال کر آؤ"

میں اداس ہوتا۔ یا کسی الجھن میں مبتلا ہوتا تو وہ میرے پاس ہوتیں میری الجھنوں کا نفسیاتی علاج انھی کے پاس تو تھا۔ کبھی کسی نے ایسا ماہر نفسیات دیکھا ہے جس نے نفسیات کی ایک کتاب نہ پڑھی ہو۔

اور پھر دس سال بعد یہ خواب حقیقت میں بدلا۔ مگر صرف تین ماہ کے لئے۔ وہ لکھنؤ سے لاہور اور وہاں سے کراچی ٹرین سے پہنچیں۔ میں انہیں لینے کے لئے کینٹ اسٹیشن پہنچا۔ امی جان نے مجھے دیکھا اور میرا چہرا اپنے داہنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ "کیسے ہو چندو" یہ اُن کے پیار کا خاص انداز تھا۔

زمانے کی سختیوں اور میری طویل جدائی نے انھیں وقت سے پہلے بوڑھا کر دیا تھا۔ ان کے بال آدھے سفید ہو چکے تھے اور وہ بہت کمزور نظر آ رہی تھیں ان

کا سراپا دیکھ کر مجھے ایک دھچکا لگا۔ یہ عجیب بات ہے کہ دس سال کے عرصے میں انہوں نے کسی خط میں یہ نہ لکھا کہ میرے وہاں نہ ہونے سے انہیں کسی قسم کی تکلیف ہے۔
اب میں سوچتا ہوں کہ یہ صرف انہوں نے اس لئے کیا کہ ان کو معلوم تھا کہ بیٹے پاکستان میں سب سے الگ ہو کر اپنی زندگی بنانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایسی کسی بات سے میرا دل یہاں سے اُچاٹ ہو جائے اور میں اپنی کوششوں کو ادھورا چھوڑ کر لکھنؤ واپس چلا جاؤں۔

کراچی آکر بظاہر ان کی صحت بہتر ہو گئی۔ میں تین ماہ کے بعد انگلستان چلا گیا۔ جانے سے پہلے اُن کا اصرار تھا کہ میں شادی کر لوں۔ ہم لوگ گھنٹوں بیٹھ کر اس موضوع پر گفتگو کرتے۔ وہ اپنی بہو کی صفات گِناتیں اور یہ بتاتیں کہ شادی میں کیسے کیسے جوڑے بنائیں گی۔ ان کے دل میں بڑے ارمان تھے اپنی بڑی بہو کے لئے۔

میں انگلستان چلا گیا اور امی جان نے اپنے آپ کو کراچی کے ماحول میں ڈھالنے کی کوشش شروع کر دی۔ ۸۰ برس کی عمر میں یہ بہت سخت کام تھا۔ مگر انہوں نے کبھی شکایت نہ کی۔ اُن کی زندگی ویسی ہی بھرپور اور فعال رہی۔ بظاہر وہ صحتمند نظر آتی تھیں۔ لیکن یہ کوئی نہ جانتا تھا کہ اس ہشاش بشاش اور صحت مند جسم کے پردے میں ایک **مریض دل** بھی ہے۔

اکتوبر ۱۹۶۹ء میں ان کا ایک خط آیا۔

"جس دن اجن روانہ ہوئے اس کے دوسرے ہی دن سے میری طبیعت سخت خراب ہو گئی۔ نجانے کیسی تکلیف تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ دو دن تو میں برداشت کرتی رہی۔ پھر ڈاکٹر کو دکھلایا۔ دل میں درد تھا۔ حرکت بند ہوتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ علاج سے کسی قدر افاقہ ہوا تو آج یہ خط لیٹے لیٹے لکھ رہی ہوں۔ ابھی کلی آرام نہیں ہُوا۔ اس

وقت بھی کافی تکلیف ہے۔ لیکن اس تکلیف سے کہیں زیادہ تکلیف تمہاری خیریت نہ معلوم ہونے سے ہے۔ اگر طبیعت ٹھیک ہوتی تو اب تک یا تو ٹیلی گرام دیتی یا ٹرنک کال کرتی، لیکن بہت مجبور ہوں۔ ڈاکٹر نے قطعی آرام کرنے کو کہا ہے۔"

میں اس کو محض خط نہ پہونچنے کی پریشانی سمجھا۔ اور مجھے یقین ہے کہ اس کے بعد بھی انہیں کئی بار دورہ پڑا جسے کوئی نہ سمجھ سکا۔

پھر میں لندن سے دوبار کراچی گیا۔ ہر بار ان کا یہ اصرار رہا کہ میں شادی کروں جنوری ۷۳ء میں میں ان سے یہ وعدہ کرکے آیا کہ اپریل میں پھر واپس آؤں گا اور اس بار شادی کرکے جاؤں گا۔ یہاں لندن کی پیچ پیچ اور مصروف زندگی نے مجھے اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا تھا اور میرا پروگرام اپریل ۷۳ء سے دسمبر ۷۳ء کا بنا اور پھر اپریل ۷۴ء کا ہوا۔ میں اس زمانے میں لندن اسٹاک ایکسچینج میں کام کر رہا تھا۔ میں نے ۱۴ر اپریل کو جانے کا پروگرام بنایا۔ ۱۲ر اپریل کو دفتر سے چھٹی لے کر اپنا ٹکٹ خریدا۔ اور دن بھر بازار میں گھومتا رہا۔ خوب خریداری کی۔ میں آخر شادی کرنے جا رہا تھا۔ امی جان کے لئے بہت سی ساریاں خریدیں۔ ہر بار میں جو کچھ لے کر گیا وہ انھوں نے اپنی بہو کے لئے مخصوص کر دیا۔ اس بار میں انھیں یہ ذکر نے دوں گا۔ پانچ بجے شام کو میں گھر پہنچا۔ ٹیلیفون کی گھنٹی بج رہی تھی۔

یہ فون کراچی سے میرے چھوٹے بھائی تنویر کا تھا۔ اس ناوقت ٹیلی فون کال سے میرا ماتھا ٹھنکا ــــــــ لیکن جو خبر مجھے ملنے والی تھی اس کا مجھے دور دور تک گمان بھی نہ ہو سکتا تھا۔

تنویر نے بتایا کہ یکایک امی جان کا **ہارٹ فیل** ہو گیا۔ اِنّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون۔ تنویر نے پوچھا۔ کیا میں دفن میں پہنچ سکتا ہوں۔ یہ میں

نے کیسے کہا کر "نہیں میرا انتظار نہ کرو۔" مجھے نہیں معلوم۔

شام ہوتے ہوتے یہ خبر لندن میں سارے ۱۰۶۱ اور دوستوں میں پہنچ گئی رات گئے تک لوگ آتے رہے۔ غالباً یہ لوگ اس لئے آرہے تھے کہ مجھے ماں کی موت کا پُرسہ دیں اور اس پردیس میں میرا غم بٹائیں۔

مجھے کچھ ٹھیک سے یاد نہیں کہ کون کون آیا اور آنے والے کتنی دیر بیٹھے۔ مجھے سب کچھ مصنوعی لگ رہا تھا۔ ایک خواب سا تھا۔ کچھ دھندلی دھندلی سی تصویریں حرکت کرتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔

کیا سچ مچ امی جان ہم سے ہمیشہ کے لئے جُدا ہوگئیں۔ امی جان کی موت! یہ تو جیسے محبت و شفقت کا موجیں مارتا ہوا دریا خشک ہوگیا —— ایک دور تھا کہ ختم ہوگیا۔ —— ایک مکتب تھا کہ نہ رہا —— ایک طرف دل کہہ رہا تھا کہ یہ سب خواب ہے۔ ابھی آنکھ کھل جائے گی —— دوسری طرف ذہن کہہ رہا تھا کہ یہ حقیقت ہے۔ تمہاری زندگی کی تلخ ترین حقیقت اپنی ماں کے آخری دیدار سے محروم رہ کر انگلستان میں قیام کی تم نے بھاری قیمت ادا کی ہے۔

کس کو اب ہوگا وطن میں آہ! میرا انتظار؟
کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بے قرار؟
خاکِ مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دُعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا —— اقبال

میں کراچی پہنچا۔ گھر میں سبھی تھے۔ لیکن گھر پھر بھی خالی تھا —— ہر چیز اپنی جگہ پر موجود تھی۔ شادی کی تیاریاں تقریباً مکمل ہوچکی تھیں

بس ایسا لگ رہا تھا کہ امی جان انتظار کرتے کرتے اُکتا کر کہیں چلی گئی ہیں۔ ابھی آ جائیں گی —— اور لڑکیوں کے کام پر تنقید کرنا شروع کر دیں گی۔ یہ کام یوں کرنا چاہیئے تھا۔ وہ کام غلط ہے وغیرہ وغیرہ۔

شادی کے دن قریب آتے گئے —— میں ہر صبح اس اُمید سے اُٹھتا کہ شاید آج امی جان آ جائیں —— لیکن شادی کا دن بھی آ پہونچا اور امی جان نہ آئیں۔ تو میں رو پڑا —— جیسے بچپن میں اپنی ضد پوری نہ ہونے پر روٹھ جایا کرتا۔ اور جیسے امی جان مجھے منانے کے لئے آ گئیں۔

انھوں نے مجھے اپنے ہاتھ سے دولہا بنایا اور اپنی بہو کا گھونگھٹ اٹھا کر دیکھا۔ بڑے ارمان سے بلائیں لیں۔ بہو کو گھر میں اُتارا۔ اور پھر ہم لوگوں کو دعاؤں کے ساتھ لندن روانہ کیا۔ بس فرق صرف یہ تھا کہ اس بار وہ ہمارے ساتھ تھیں۔ اب ہم جہاں جہاں جائیں گے وہ ہمارے ساتھ ہوں گی۔ وہ مجھ سے بہت دنوں الگ رہیں۔ شاید اسی بات کا ازالہ کرنے کے لئے۔

ماں کے خطوط

بیٹے کے نام

۲۹ر دسمبر ۱۹۷۱ء
کراچی

پیارے جھمن پیار

تمھیں معلوم ہوا ہوگا کہ میں ایک گراں بہا نعمت سے محروم ہوگئی۔ ۲۸ر ماہ مبارک مطابق ۱۱ر نومبر بروز پنجشنبہ ہمارا شفیق باپ اس دارِ فانی سے رُخصت ہوگیا۔ خداوند عالم مرحوم کو جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے (آمین) اتنی بڑی دُنیا میں میرے لئے دُعائے خیر کرنے والا کوئی نہ رہا۔ میری مسرّتوں پر مسرور ہونے والا اب کوئی نہیں۔ جس کے وجودِ عالی شان سے میرا وجود تھا۔ جس کے نام سے لوگ مجھے پہچانتے تھے وہ منوں خاک کے ڈھیر میں چھپ گیا۔ کاش کہ اس بیش بہا ہستی کو ایک بار جیتے جی مسکراتے دیکھ لیتی۔ لیکن شومئی قسمت نے اُس وقت دکھایا کہ جب میرا

خطا پوش اور عطا پاش باپ خلعتِ آخری پہن کر منزلِ اوّل کے لئے تیار ہو چکا تھا اور صرف میرے انتظار میں چہرۂ انور سے چادر ہٹائی گئی تھی جانے دفن پر ٹھہرے تھے ۔ میں آخری سلام کر کے جواب کا انتظار کئے بغیر انجانے لوگوں کی معیت میں قصرِ ظفر میں پہنچی جو ایک سجا ہوا چھوٹا سا محل تھا جس کی آرائش کرنے والے نے اس کو خیر باد کہہ دیا تھا۔ جس کے در و دیوار زبانِ حال سے اپنے تعمیر کرنے والے کا ماتم کرنے میں مصروف تھے ۔ دو یتیم ہم سب کے ہمراہ اپنی دوبارہ یتیمی پر اشک بار تھے ۔

بادلِ ناخواستہ ایک ماہ آٹھ روز پنڈی میں قیام کیا۔ چالیسویں کے بعد ۲۶ ، دسمبر کو روانہ ہو کر ۲۰، دسمبر کی شام کراچی پہونچی۔ خدا کا شکر ہے کہ سب کو بخیریت دیکھا ملکی حالات کی بنا پر طبیعت کو از حد انتشار تھا۔ ڈاک کا نظم و نسق ابتر اتنے دنوں پنڈی کے قیام میں نہ تمہاری کوئی خیریت ملی اور نہ خط۔ گھر پہنچ کر حامد کا لایا ہوا خط پڑھا۔ حالانکہ اب وہ کافی پرانا ہو چکا ہے۔ بہر حال خیریت کے ساتھ حالات سے آگاہی ہوئی ۔

مکان خریدنا خدا تمھیں مبارک کرے۔ زندگی کی جملہ مسرتوں کے ساتھ ہزاروں سال جیو۔ ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار۔ (آمین)

یہ خط مرزا وحید صاحب کی بیوی لے کر لندن جائیں گی۔ وہ ۳۱، دسمبر کو روانہ ہو رہی ہیں لیکن میں آج ہی مل کر یہ خط دے دوں گی۔ اس لئے کہ ۳۱، دسمبر کو میں والد صاحب مرحوم کے ایصالِ ثواب کی ایک زنانی مجلس کر رہی ہوں۔

اگرچہ کسی کام کے لئے فی الوقت طبیعت حاضر نہیں تھی لیکن تمہارے خط کا جواب دینا بہر حال ضروری تھا اس لئے کافی دیر میں یہ خط لکھ سکی ہوں۔ کھانے سے قبل شروع کیا تھا۔ اب چار بج چکے ہیں۔

خدا حافظ ۔ دعا گو تمہاری اماں

۲۲ ستمبر ۷۲ء (مطابق یکم شعبان المعظم)

کراچی

پیارے جھمّن بہت سے پیار قبول کرو

جواب خط بہت دیر میں دیا جا رہا ہے۔ معاف کرنا۔ اسلم سے بھیجے ہوئے خطوط اور تصویریں چھبّن بھائی کی بیوی سے ملیں۔ کیونکہ اسلم نے وہیں جا کر دیں۔ اس سے پہلے بذریعہ ڈاک ایروگرام آچکا تھا اور خیریت معلوم ہونے پر ہم بارگاہ ربّ العزت میں حتی المقدور شکرانہ ادا کر چکے تھے۔ اس سے قبل والا دستی خط البتہ اب تک نہیں ملا۔ استفسار کے لئے تمہارے عمو جان پی اے ایف بھی گئے تھے۔ معلوم ہوا کہ وہ صاحب بسلسلۂ ٹرانسفر سرگودھا چلے گئے۔

تمہارے ایک دوست کی شادی کی خبر اُن کی بہنوں سے ملی۔ ان کی والدہ سے مجھے ہمدردی ہے۔ وہ بے چاری پال پوس کر سارے دکھ جھیل کر اب اس آسرے میں تھیں کہ بیٹے کو دولہا بنا کر سہرا باندھیں گی۔ لیکن آزاد خیال زمانے کو اتنا بھی گوارا نہ ہوا۔ بھلا انہیں کیوں نہ صدمہ ہو۔ دوسری ایک بات اور لکھوں گی خواہ تم بکواس ہی کیوں نہ کہو اور وہ یہ کہ ہماری بہوئیں ہزار سال تک آنے والی نسلوں کی مائیں ہوں گی لہٰذا وہ مائیں فیشن ایبل ترقی پسند آزاد خیال ہوں یا نہ ہوں۔ لیکن ایسی ضرور ہونا چاہئیں جو اپنی اولاد کو صراطِ مستقیم پر گامزن رہنے کی تعلیم و تربیت دے سکیں۔ ہمارا عقیدہ دُنیا میں چند دن رہ کر مر جانے ہی کا صرف نہیں ہے بلکہ توحید" "عدل" "نبوّت" و "امامت" کے ساتھ "قیامت" پر بھی ایمان ہے اور اس سے قبل "رجعت" بھی یقینی ہے۔ میری تو خصوصاً یہ دعا ہے اپنے مالکِ حقیقی سے کہ بوقتِ ظہورِ قائم آلِ محمدؐ میری اولادوں کے سلسلے میں جتنے بھی

ہوں وہ صاحب ایمان بہ اعتقاد مذہب اثنا عشری ہوں۔ (آمین) لہٰذا میری تم سے یہ پہلی اور آخری استدعا ہے کہ خواہ رشتہ کہیں بھی کرو۔ اپنے مذہب اور اعتقاد کا لحاظ رکھنا ورنہ میں دودھ نہ بخشوں گی اور میں یہ بات خدا اور رسولؐ کو گواہ کر کے لکھ رہی ہوں۔ مجھے دُنیا بھر کی نعمتوں سے کہیں زیادہ اپنا مذہب عزیز ہے۔ دوسری بات یہ کہ اپنے وطن اور گھر آ کر سب اعزا و اقربا کو خوشی میں شریک کرنا اللہ کی خوشنودی کا سبب ہے۔ میں نہیں سمجھ سکی کہ تمہارے دوست اُس وقت کس طرح خوش ہونگے جب کہ ماں آٹھ آٹھ آنسو رو رہی ہے۔

تعویذ سلمہٗ کے متعلق جو تم نے مشورہ دیا تھا وہ خط ملا تھا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ ڈاکٹر ذیشان صاحب کے علاج سے ہی سلمہٗ صحت یاب ہو گئے۔ ڈاکٹر عباس طور نے اکسیرے کیا اور بہت اطمینان دلایا کہ بہت معمولی بات ہے اور خدا کا شکر ہے کہ امتحان سے پہلے ہی ٹھیک ہو گئے۔ اب رزلٹ کا انتظار ہے۔ اللہ سب کو کامیاب کرے۔ (آمین)

شہناز سلمہا کا پریکٹیکل ۲، ستمبر کو ہوگا۔

کل "بی بی سی لندن" سے ایک خط ملا ہے جس میں یہ اطلاع ہے کہ "پیر کی شام آٹھ بجے تارکینِ وطن کے پروگرام میں محسن اختر صاحب حصّہ لے رہے ہیں آپ بھی سنیں" لہٰذا ہم سب بڑی بے چینی سے پیر کے منتظر ہیں۔ خدا خیریت کے ساتھ آواز سنائے۔ (آمین)

سب بھائی بہنوں کا آداب اور میری دُعائیں طولِ حیات و ترقی درجات قبول کرو۔

دُعا گو،

تمہاری امّی

۲۲ جون سنہ ۶۲ء

کراچی

(ایک خط کے آخری جملے)

... " رہی تمہاری تعریف اس کے کرنے میں یقین جانو میں بخل سے کام لیتی ہوں اس کے کئی اسباب ہیں اور اس کاغذ میں جگہ کم ہے۔ پہلی وجہ یہ کہ میں تمہاری تعریف میں اپنی تعریف سمجھتی ہوں۔ دوسروں سے اس لئے نہیں کرتی کہ نظر بد کا خیال رہتا ہے۔ تم سے خود اس لئے نہیں کرتی کہ خوشامد نہ سمجھ بیٹھو۔ وغیرہ وغیرہ۔ باقی پھر خدا حافظ۔

دُعا گو۔ تمہاری امی

*

۲۹ اپریل ۷۱ء (مطابق ۱۲ صفر)

کراچی۔

پیارے بھمن پیارے

آغازِ محرم میں تمہارا خط آیا تھا اس کے بعد سے خیریت نہیں معلوم ہوئی بہت طبیعت پریشان ہے فوراً اپنی خیریت سے مطلع کرو تاکہ سکون ہو۔ چونکہ اس زمانے میں تمہارے عمو جان برابر خط لکھتے رہے اس لئے میں نے نہیں لکھا۔ ایام عزا میرے لئے خصوصیت سے بہت ہی مشغولیت کا سبب بن جاتے ہیں کسی بات کا ہوش نہیں رہتا۔ قاسم سلمہٗ کے امتحان ششماہی ختم ہو گئے ہیں اب کی وہ بورڈ کا امتحان دیں گے دیکھئے کیا رزلٹ رہتا ہے۔ شاہینہ کا بھی خط آیا ہے جواب لکھنا ہے۔ ممتن سلمہٗ کی شادی ایسے زمانے میں ہوئی جب کہ ڈاک کا انتظام ٹھیک نہ تھا۔ تمہیں کچھ خبر نہ ہو سکی اور نہ میں جا سکی۔ البتہ تنویر میاں گئے تھے۔

کوئٹہ جاتے ہوئے شاہد میاں ملنے آئے تھے اور اپنے ہمراہ مظاہر سلمہٗ کے بچوں اور بیوی کو بھی لائے تھے۔ پپّو کی طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی۔ اسی درمیان میں تو چند ساعت کے لئے دیکھنے چلی گئی تھی۔ اکثر تمہارے عمو جان چلے جاتے ہیں۔

اچھا بھئی اپنے عمو جان اور منّی چچا (حامز الوقت) کی دعائیں۔ سب بھائی بہنوں کے آداب قبول کرو اور فوراً خیریت سے مطلع کرو۔ ہر وقت منتظر ہیں۔

دعا گو۔ تمہارے عمّے محبّے

٭

۱۱ر دسمبر ۶۹ء

کراچی

(ایک خط سے اقتباس)

"بہرحال اس ناپائیدار دنیا کا مزاج ہی یہ ہے کہ یا تو کوئی ہم سے آگے بڑھے ہی نہ اور اگر بڑھے تو وہ ہم میں شامل ہو جائے بس اور کچھ نہیں۔ تمہارا تو خود دیکھ کر یہ اندازہ میں نے لگایا کہ کچھ کمزور سے دکھائی دے رہے ہو۔ خدا جانے دشمنوں کی طبیعت کچھ ناساز ہے یا یہ ہم سب کی فکروں کا نتیجہ ہے۔ فکرمندی تمہاری حق بجانب ہے اور مجھے اس کا پورا پورا احساس ہے۔ لیکن جذبۂ فکر میں ڈوب کر مجھے پتھر کی ماں نہ سمجھو۔ مجھے صرف تمہاری سلامتی اور صحت اور تمہاری خوشیاں چاہئیں اور اپنے لئے کسی آرائش و زیبائش کی قطعی خواہش باقی نہیں ہے۔ جب خواہش تھی اس وقت بھی اس احساس کا گلا گھونٹ دیا تھا۔

زندہ سلامت رہو۔ خوش رہو۔ آباد رہو۔ رہتی دنیا تک نیک نام رہو (آمین) میری زندگی کا زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ باقی کم رہ گیا ہے۔ دل چاہتا ہے

تھوڑی خوشیاں دیکھ لوں۔ بس.....“

*

۲۴ر جون ۱۹۶۹ء

کراچی

بہت بہت دعائیں خط لکھ کر رکھ دیا اور کئی دنوں تک کچھ الجھن اور پریشانیوں میں خیال ہی نہ آیا۔ دل اس قدر کمزور ہو گیا ہے کہ دو ایک دن تم سب کی خیریت اگر نہ معلوم ہو تو پاگلوں کی سی کیفیت ہو جاتی ہے۔ کل خدا خدا کرکے تمہارے عمو جان کا اور تمہارا بھی خیریت نامہ ملا تو دل و دماغ کو سکون ہوا۔ مالک حقیقی کی بارگاہ میں سرِ نیاز جھکایا۔ مولا کی نیاز دلائی۔ آج جواب لکھنے بیٹھی تو یہ خط نظر آیا جو ایک ہفتے قبل لکھ چکی تھی۔ بہرحال کچھ ضروری باتیں اس میں لکھی ہیں اس لئے روانہ کر رہی ہوں۔

میرے چاند تمہارا خط پڑھ کر دل ہل گیا۔ خداوندِ عالم سے دُعا ہے کہ بتصدق ائمہ معصومینؑ تم سب کو تا صد وسی سال سلامت رکھے اور شاد و آباد رکھے۔ (آمین) اس میں شک نہیں کہ مومن کی خصوصیت ہے کہ وہ اپنی موت کو نظروں کے سامنے رکھے اور اسی لئے عملِ خیر میں جلدی تعمیل کی تاکید ہے لیکن پیارے بچے یہ باتیں بوڑھے والدین اپنے بچوں سے کرتے ہیں۔ والدین کو خداوندِ عالم ایسے حالات سے کبھی دوچار نہ کرے۔ قبل اس کے خدانخواستہ ایسا وقت آئے تو ماں باپ اپنے بچوں کی بلائیں لے کر اس دارِ فانی سے گزر جائیں

(آمین)

شمع بجھ گئی لیکن راستہ چمکتا ہے

سیّد تنویر اختر نقوی

امی جان اُن تمام اوصاف سے متصف تھیں جو ایک عظیم خاتون میں ہونے چاہئیں۔ اُن کا کردار فرائض نسواں کے ہر پہلو کا آئینہ دار ہے۔ گھر میں عورت کی کئی حیثیتیں ہیں۔ کبھی وہ مادرِ مہربان ہے۔ کبھی بھائی کی بلائیں لینے والی بہن، کبھی شوہر کی خدمت گزار بیوی اور کبھی الفت کا دم بھرنے والی بیٹی۔ اور عورت کی یہ چاروں حیثیتیں مکمل طور پر امی جان میں موجود تھیں۔

میری امی جان کی زندگی کی کامیابی کا راز یہ ہے کہ انھوں نے ارکانِ دین کی پابندی میں کوتاہی نہیں کی عفت و عصمت میں خواتینِ خاندانِ نبوتؐ کی تقلید پہ کار فرما رہیں۔ کنوارپن میں والدین کی اور بعد از نکاح اپنے سرتاج کی اطاعت کرتی رہیں۔ بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کو اپنا فریضۂ اولین سمجھتی رہیں۔ لیکن بچوں کی دیکھ بھال۔ شوہر کی خدمت اور بزرگوں سے مناسب سلوک کرنے کے علاوہ انھوں نے جو عظیم ذمہ داری اپنے کاندھو پر اٹھائی تھی وہ خدمتِ دین کی ذمہ داری تھی جسے انھوں نے دنیا کے تمام فرائض پر فوقیت دی۔ انھوں نے علم حاصل کیا اور اپنے ذاتی مطالعے سے علم کے خزانے کو بڑھایا۔ مجلسیں بھی ایسی پڑھیں جن سے ملتِ جعفریہ کی خواتین عملی زندگیوں کو سنوار سکیں۔ اہل بیت کی نصرت کا ایک ذریعہ شاعری بھی ہے۔ انھوں نے اپنے نوحے اور قصائد لکھ کر نصرتِ مظلوم کا حق

ادا کرنے کی کوشش کی۔ عبادتوں میں ان کا اہتمام قابلِ رشک تھا۔ عام طور سے اپنے لئے نمازیں ہو جاتی ہیں بہت ہے لیکن دوسروں کے لئے پڑھنا مشکل ہوتا ہے انہوں نے جب بھی کسی مومن یا مومنہ کے انتقال کی خبر سنی ہے اسی دن شام کو بعد دفنِ میت مغرب و عشا کے درمیان نماز ہدیۂ میت پڑھی اور ہم لوگوں سے بھی خاص ہدایت ہوتی تھی کہ نماز پڑھ لینا جب وقت آئے نماز ہدیۂ میت کا۔ کسی جاننے والے مومن کی موت پر خاص تاکید فرماتی تھیں کہ تعزیت کے لئے جاؤ اور مرنے والے کے والد کا نام معلوم کر کے نماز ہدیۂ میت پڑھتی تھیں۔ ۱۹۶۶ء میں میرے ساتھ آگرے تشریف لے گئیں، قاضی نور اللہ شوستریؒ کے مزار پر خواتین کی مجلس کا انتظام اس حجرے میں ہوتا ہے جہاں سرکار ناصر الملت اعلی اللہ مقامہٗ کی قبر ہے۔ جتنے دن قیام رہا خواتین کی مجالس میں انہوں نے ذاکری فرمائی اور یہ حقیقت ہے کہ قاضی نور اللہ شوستریؒ کی حیات اور دینی خدمات سے شہادت تک کے حالات بچپن میں ہی مجھے امی جان سے معلوم ہوئے کتابوں سے تو بہت بعد میں واسطہ پڑا۔ میں بہت چھوٹا تھا اس وقت سے امی جان نے مجھے فرمان علی صاحبؒ کی لکھی دینیات پڑھائی اور پانچ کتابیں دینیات کی ختم کروائیں۔ زبانی حالات و واقعات، مسئلے مسائل انبیاء کے واقعات، ائمہ طاہرین کے حالات، علمائے دین اور بالخصوص شیخ مفیدؒ، کلینیؒ، سید رضیؒ، سید مرتضیٰؒ، علامہ حلیؒ، علامہ مجلسیؒ، غفرانمآبؒ کے زندگی کے سبق آموز واقعات سناتی تھیں

نماز پڑھنے کی سخت ہدایت ہوتی تھی اور وقت کی پابندی کے ساتھ۔ سفر کے لئے تاکید کہ نیک تاریخ ہو، نیا کپڑا پہننے کے لئے دن و تاریخ نیک ہونے کی شرط۔ کالے جوتے کی ممانعت۔ یہ تو تھا ان کا گھریلو ماحول۔

آل انڈیا شیعہ یتیم خانہ لکھنؤ کی سلور جوبلی کا جشن منایا گیا۔ ہمارے چچا سید غلام حسنین نقوی ایڈوکیٹ (سیکریٹری یتیم خانہ) اور ان کی بیگم عطیہ بانو صاحبہ نے

بہت اعلیٰ پیمانے پر اہتمام کیا اور مختلف پروگرام ترتیب دیئے گئے۔ وی۔ وی گری
رسابق گورنر یوپی) ملا طاہر سیف الدین وغیرہ کو خاص طور سے مدعو کیا گیا تھا۔
ایک دن چلڈرن ڈے منایا گیا جس میں پنڈت جواہر لال نہرو نے یتیم بچوں کے
ساتھ چند گھنٹے گزارے، خواتین کے لئے بھی جشن کا انتظام کیا گیا تھا۔ امی جان
کی ذاتِ گرامی کی بدولت لکھنؤ کی تمام خواتین نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ امی جان نے
چند ایسے پروگرام ترتیب دیئے کہ سلور جوبلی میں چار چاند لگ گئے اور انہوں نے دینی
جذبے کے تحت بھاگ دوڑ کا کام بھی اپنے ذمے لے لیا۔ جلسے کے روز مینا بازار کی
دیکھ بھال، گیٹ پر مہمانِ خصوصی بیگم وی وی گری رگورنر یوپی) کا استقبال، معزز
خواتین کو نشستوں پر بٹھانا۔ ہر کام بخوبی انجام دیتی رہیں۔

یوپی میں اردو کے خلاف محاذ آرائی جاری تھی۔ بیگم حیات اللہ انصاری،
بیگم ڈاکٹر رفیق حسین۔ نواب نورجہاں بیگم وغیرہ نے خواتین کی انجمن ترقی اردو
کی بنیاد رکھی اس میں امی جان کی خدمات بھی حاصل کی گئیں۔ انہوں نے اس انجمن
کی فلاح وبہبود کے لئے اس میں بھی حصہ لیا۔

یتیم اور بیواؤں کی امداد وقتاً بے وقتاً کرنا اپنا فرض سمجھتی تھیں۔ ایک
چھوٹی سی صندوقچی میں روپے پیسے جمع کرتی تھیں جسے بعد میں یتیم خانہ بھجوا
دیا کرتی تھیں۔ "انجمن وظیفہ سادات" کی مستقل ممبر بھی رہیں اور بعد میں ہم
لوگوں کے نام سے بھی چندہ دینے لگی تھیں

بحثیت ماں ان کی ممتا اور بحیثیت ذاکرہ ان کی دینی خدمات ہمیشہ
زندہ رہیں گی۔

ماں کی ممتا کو بھی کوئی بھول سکتا ہے
شمع بجھ گئی لیکن راستہ چمکتا ہے (ضمیر جعفری)

آہ! میری اچھّی باجی

محترمہ ساجدہ بیگم عرف حضنو

محترمہ محسنہ بیگم صاحبہ کو میں اچھی باجی کہا کرتی تھی۔ وہ میری خالہ زاد بہن تھیں لیکن اُن کا برتاؤ مجھ سے ایک حقیقی بہن جیسا تھا۔ انسان کے غم و خوشی کا انحصار محض ایک لفظ پر ہے۔ ایک ہی لفظ ایسا نشتر لگاتا ہے کہ جو دل تک اتر جائے اور یہی ایک لفظ کبھی کبھی خوشیوں کے خزانے لٹا دیتا ہے۔ ابھی پچھلے سال کی بات ہے اچانک اچھی باجی کے انتقال کی خبر نے ہم سب کو اس قدر بے چین کر دیا کہ آج ایک سال گزرنے پر بھی دل و دماغ کی وہی حالت ہے اور یہ غم ہمیشہ ہمیشہ خون کے آنسو رُلاتا رہے گا۔

میں دوری کی وجہ سے اپنی بہن کے بچوں کو گلے نہ لگا سکی۔ لیکن جمن میاں کے خط نے کسی حد تک آنسو پونچھ دیئے۔ انہوں نے ہالینڈ سے اطلاع دی ہے کہ اچھی باجی کے دلیسے کی مجلس کے موقع پر اُن کا مجموعہ کلام مع اُن کی خصوصیاتِ زندگی کے ایک کتاب کی شکل میں شائع ہوگا۔

اچھی باجی کی ذات کچھ ایسی نمایاں صفات پر مبنی تھی کہ ہندوستان اور پاکستان کے متعدد قصبات و شہروں کے ہزارہا لوگوں کے درمیان وہ ہمیشہ یاد کی جاتیں گی اور زندہ رہیں گی۔

خدا جھمن میاں کو عمرِ نوح عطا کرے کہ جن کی وجہ سے اچھی باجی کی موت دوبارہ حیات میں بدل جائے گی۔ اچھی باجی مجھ سے بڑی تھیں تقریباً دس برس۔ لیکن ایک بڑی بہن کی تمام شفقتوں اور محبتوں کے ساتھ ساتھ ایک خاص بات یہ تھی کہ وہ میری سہیلی بھی تھیں اور اسی وجہ سے مجھے میری اور تمام ہی بہنوں سے زیادہ عزیز تھیں۔ وہ خود نہایت عمدہ ذاکرہ تھیں۔ انہوں نے مصطفےٰ آباد کی زنانی مجلسوں میں ذاکری کی ایک نئی روح پھونک دی تھی۔ یہ ان کی ہی دین ہے کہ آج ذاکری کا شرف مجھے بھی حاصل ہے۔ انھوں نے باقاعدہ مجھے ذاکری کا درس دیا تھا اور ہر مجلس میں بحیثیت ذاکر روشناس کرایا۔ ہر ہر موقع پہ میرا دل بڑھاتی تھیں۔

اچھی باجی نے مصطفےٰ آباد میں "انجمن زینبیہ" کی بنیاد رکھی۔ اس انجمن کی صدر بھی وہ خود تھیں انکی بنا کردہ انجمن آج بھی قائم ہے اور انجمن کے زیرِ اہتمام ہر سال عشرہ ہوتا ہے اس میں مومنات انکے نام پہ فاتحہ پڑھکر مرحومہ کی یاد میں آنسو بہاتی ہیں۔

مصطفےٰ آباد تو ان کا وطن تھا، لکھنؤ کا کون سا ایسا محلہ ہے جہاں بیگم ظہیر صاحبہ کے ایصالِ ثواب کی مجلس نہ ہوئی ہو۔ لکھنؤ ایسا شہر جہاں ان کی ذاکری نے بڑا عروج پایا۔ اور آخری عروجِ ذاکری یہ کہ جنابِ فاطمہؑ نے اپنے دربارِ خاص میں حسینؑ ابنِ علیؑ کی ذاکری کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بُلا لیا۔

وہ اپنے بچوں کے لئے بہت ہی بے مثل ماں تھیں۔ انہوں نے اپنے بچوں کو دینی اور دنیاوی تعلیم دی۔ شوہر کے لئے بے نظیر بیوی اور ہر عزیز کی ہمدرد، سب کے لئے باعثِ فخر۔ چاہنے والی خالہ ایسا تڑپ کر روتی ہیں جیسے ایک ماں۔

میں انہیں ایک لمحے کے لئے بھی فراموش نہیں کر سکتی۔ اُن کی یاد ہمیشہ مجھے تڑپاتی رہے گی۔ اللہ ان کے درجاتِ عالی کو اور بلندی عطا کرے۔ (آمین)

مُصطفےٰ آباد کی بہو

جناب سید محمد رضا من علی نقوی مرحوم ایم اے
(سابق صدر شعبہ اردو الہ آباد یونیورسٹی) کی بھتیجی
محترمہ راضیہ صاحبہ نے مصطفےٰ آباد (ہندوستان) سے
اپنے تاثرات تحریر کئے ہیں ۔

محسنہ بی بی ۔ خدا انھیں جنت نصیب کرے ۔ نہایت مہذب، معزز
مخلص اور ملنسار بی بی تھیں ۔

یہ قصبہ مصطفےٰ آباد ضلع رائے بریلی کی بہو تھیں ۔ لیکن جب یہاں بیاہ
کر آئیں تو سب میں اس طرح گھل مل گئیں گویا یہیں کی بیٹی ہوں ۔ اپنے گھر
کا تمام تر انتظام تو ان کے ذمے تھا ہی ساتھ ہی قصبے کی عزاداری جو خواتین سے
متعلق تھی ۔ اس کو بھی جب تک وہ یہاں قیام پذیر رہیں فروغ دینے میں تن،
من، دھن سے لگی رہیں ۔

اس سلسلے میں وہ ہر کام میں نہایت منظم طریقۂ عمل پر کاربند رہیں ۔

بقیہ اس نظم و نسق کو برقرار رکھنے کے لئے انہوں نے خواتین کی ایک انجمن انجمنِ زینبیہؑ کی تشکیل بھی کی جو آج تک قائم ہے۔ اور مرحومہ کے متعین کئے ہوئے اصولوں پر کاربند ہے۔

ملنساری، ہمدردی، اور اپنائیت کا یہ عالم تھا کہ میں ایک بار بستر علالت پہ تھی اور زندگی و موت کی کش مکش سے دوچار تھی۔ مرحومہ پردے کی نہایت پابند تھیں۔ ان کے گھر کے اصول بھی نہایت سخت تھے۔ یہ سب ہوتے ہوئے بھی، محسنہ بی بی پندرہ بیس روز تک بلاناغہ شب کے وقت مجھے دیکھنے آیا کرتی تھیں اور میرے سرہانے بیٹھ کر دو دو گھنٹے قرآن مجید کی تلاوت اور دعائیں پڑھا کرتی تھیں۔ انھیں کی دعاؤں کا اثر تھا کہ میں خلاف اُمید جلد ہی روبصحت ہوگئی۔

انکسار کا یہ حال کہ مجھ سے رشتے میں بڑی تھیں۔ لیکن میرا احترام بڑی بہن کی طرح کرتی تھیں۔

میں انھیں کیسے بھول سکتی ہوں؟

بیگم سیّد غلام حسنین نقوی ایڈوکیٹ (لکھنؤ)

مجھے بھابھی کے بغیر لکھنؤ کبھی اچھا نہیں لگا۔ جب سے انہوں نے لکھنؤ چھوڑا یہی اُمید تھی کہ کبھی آئیں گی لیکن یہ اُمید بھی ختم ہوگئی اس لئے کہ انہوں نے دنیا ہی کو چھوڑ دیا۔

سید محمد اصغر نقوی

مصطفیٰ آباد۔ ضلع رائے بریلی

یوپی۔ بھارت

۶ر مارچ ۱۹۷۵ء

ڈیر جمن

سبھوں کی طرح تم بھی مجھے بے مروت اور خود غرض سمجھ رہے ہو گے۔ میں نے تمہاری شادی کے فوراً بعد تمھیں مبارکباد کا خط لکھا تھا۔ لیکن ان دنوں حضور باجی بمبئی میں تھیں۔ پتہ نہ ملنے کی وجہ سے خط لکھا ہوا پڑا رہ گیا اور آج تک میری فائل میں ہے۔ اس کے بعد لکھنؤ میں نجمہ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے تمہارے بھیجے ہوئے فوٹو دیئے۔ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی اور مجھے یقین ہے کہ اب جمن پرائمری اسکول والے جمن نہیں رہے۔ اگر تمہیں خلوص کی جگہ رواداری ہی پسند ہے تو میری طرف سے بھی ان تصویروں کا شکریہ۔۔۔ ورنہ یہ الفاظ واپس لیتا ہوں تم دونوں کی بھی تصویریں ملیں۔ تمہاری سنیہ کی تصویریں میں پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ لیکن یہ دونوں تصویریں چونکہ خاص میرے

لئے تمھیں اس لئے بہت زیادہ پسند آئیں۔ خدا تمھیں مبارک کرے اور تم اپنی اس نئی زندگی میں ہمیشہ خوش رہو۔

مجھ سے میں نے تمھارا پتہ مانگا تھا۔ لیکن انہوں نے بتایا کہ تم ہالینڈ میں ہو۔ کل حضور باجی سے معلوم ہوا کہ تم اسی مہینے میں لندن لوٹ رہے ہو۔ لہٰذا مناسب یہی معلوم ہوا کہ خط حضور باجی کے خط کے ساتھ ہی بھیج دوں۔

اس خط سے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ تم بھابھی صاحبہ مرحومہ کی تصنیفات نیز حالاتِ زندگی پہ ایک کتاب شائع کر رہے ہو۔ یہ کام تم ایسا اچھا کر رہے ہو جس کی تعریف ہی نہیں ہو سکتی۔ میری پُرخلوص تمنائیں تمھارے ساتھ ہیں اور اس سے زیادہ میں کر بھی کیا سکتا ہوں۔ تمھارے غم میں تمھارے ساتھ ہوں خدا مرحومہ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

کراچی جانا تو ظہیر بھیا کی خدمت میں آداب کہنا اور مزاج پُرسی کر لینا۔ ہمارے گھر والوں سے ملاقات ہو تو سب کو حسبِ مراتب سلام و دعا کہنا۔

ممکن ہو تو ایک کتاب مجھے بھی دینا۔

فقط تمھارا

اصغر

تشکر

ہماری امی جان کے انتقال کے دن سے آج تک برابر پیغامات تعزیت کا سلسلہ جاری ہے۔ یہ پیغامات پاکستان کے علاوہ ہندوستان، انگلستان، امریکہ اور افریقہ تک سے آئے ہیں۔ میں مجموعی طور سے ان سب اعزاء، دوستوں اور کرمفرماؤں کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں جنہوں نے ہمارا غم بٹایا۔

میں اپنے عزیز دوست ظہیر عباس اور ظفر سلمان سلمہٗ کا شکرگزار ہوں جنہوں نے دشواریوں کے باوجود مجھے لندن میں اس سانحہ کی اطلاع کے لئے ٹیلیفون کرنے میں مدد کی۔

میں برادر مکرم جناب منظر حسین قزلباش کا شکرگزار ہوں کہ انہوں نے بذریعہ TELEX مجھے اس سانحہ کی اطلاع لندن میں دی اور راولپنڈی سے آنے والے سوگواروں کو لینے کے لئے ۱ بجے رات کو خود ایئرپورٹ گئے۔

میں لندن میں مقیم تمام اعزا اور دوستوں کا شکرگزار ہوں کہ انہوں نے پردیس میں میرے اس غم کو ہلکا کرنے کی انتھک کوشش کی۔ خاص طور سے خالہ حامد (بیگم شوکت حسین) کا میں بے انتہا ممنون ہوں جن کے یہاں میں اُن دنوں مقیم تھا۔ اور موصوفہ نے ہر طرح سے نہ صرف میرا خیال رکھا بلکہ تعزیت کے لئے آنے والوں کی خاطر مدارت بھی کی۔

میں اپنی عزیز بہن نجمہ کا شکر گزار ہوں کہ وہ ڈاربی سے مجھ سے ملنے لندن آئیں اور میرے گلے مل کر اس طرح روئیں کہ جیسے کہ سگی بہنیں روتی ہیں۔ میں اپنے دوست حامد مرزا، بیگم زبیدہ مرزا، خواجہ غلام حسین صاحب، علی باقر، ارشد رضوی اور بیگم نجمہ علی باقر، اور پروین رضوی اور برادرِ مکرم انوار الحسنین صاحب کا بھی ممنون ہوں کہ ان لوگوں کے پرخلوص اظہارِ تعزیت نے پردیس میں میری غم گساری و دل جوئی کا سامان کیا اور نہ صرف یہ کہ یہ لوگ رات گئے تک میرے پاس بیٹھ کر تسلی و تشفی کے لئے گفتگو کرتے رہے بلکہ اس کے بعد بھی بار بار ٹیلیفون پر اور خود آکر مجھے دلاسا دیا کرتے تھے۔

میں اپنے بزرگ دوست حسین نجفی اور ان کے بیٹے غلام عباس نجفی اور ان کے گھر والوں کا بے انتہا ممنون ہوں کہ یہ لوگ اُس رات تعزیت کی غرض سے پیٹر بارو سے لندن پہنچے۔

میں اپنے ایک اور بزرگ ڈاکٹر رضا صاحب، ان کی بیگم اور صاحب زادی کا بے انتہا شکر گزار ہوں کہ یہ لوگ ریڈ لیٹ سے لندن تعزیت کی غرض سے اور مجھے لندن سے کراچی آتے ہوئے رخصت کرنے کے لئے تشریف لائے۔

میں محترم جناب منتظر عباس کا شکر گزار ہوں کہ موصوف نے امی جان مرحومہ کے سوئم کی مجلس پڑھی

سوئم کی زنانی مجلس میں ذاکری کے لئے میں بیگم منور علی صاحبہ کا ممنون ہوں۔

میں محترمہ زہرا بائی والدہ غلام حسین گانجی کا ممنون ہوں کہ موصوفہ نے کربلا کا کفن عنایت فرمایا۔ اور بیگم منور علی صاحبہ نے ازراہِ کرم چادرِ زمینی دی۔

میں ان سب حضرات اور انجمنوں کا مشکور ہوں جنہوں نے جگہ جگہ مرحومہ کے ایصالِ ثواب کی مجالس منعقد کیں۔ خصوصاً انجمنِ معصومیہ گو لیمار اور انجمنِ غلامانِ عون و محمد۔ رضویہ سوسائٹی۔

میں جناب مولانا ابنِ حسن صاحب نجفی کا شکر گزار ہوں کہ موصوف نے اپنی مصروفیات کے باوجود وقت نکال کر مجلسِ چہلم میں ذاکری فرمائی۔

میں بیگم ہادی رضا صاحبہ کا شکر گزار ہوں کہ موصوفہ نے زنانی مجلسِ چہلم میں ذاکری کی خواہش از خود ظاہر کی۔

میں ان سب خواتین و حضرات کا بے انتہا ممنون ہوں جو امی جان کے چہلم کی مجلس میں مسلسل چار گھنٹے قرآن خوانی اور اس کے بعد مجلس میں شریک ہوتے۔

میں عمِ محترم جناب غلام حسنین صاحب ایڈوکیٹ کا ممنون ہوں کہ موصوف نے ۱۸ مئی ۸۴ء کو لکھنؤ میں ہونے والی ایصالِ ثواب کی مجلس کا انتظام کیا۔ میں اس سلسلہ میں جناب چھوٹے نواب صاحب (ابن ڈپٹی محمد عظیم صاحب) کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ نے اپنے امام باڑہ میں مجلس کرنے کی اجازت دی اور مجلس کا تمام انتظام اپنی نگرانی میں کروایا۔ میں جناب کلبِ صادق صاحب قبلہ کا بے انتہا ممنون ہوں کہ آپ نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود وقت نکال کر اس مجلس میں ذاکری فرمائی اور ان سب خواتین و حضرات گرامی کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے اس مجلس میں ازراہِ کرم شرکت فرمائی۔

میں ان سب شعراء کرام کا بے انتہا ممنون ہوں جنہوں نے قطعاتِ تاریخ لکھ کر ارسال فرمائے جو کہ اس کتاب میں شامل ہیں۔ خصوصاً جناب عزت لکھنوی اور جناب نسیم امروہوی کہ آپ حضرات نے بڑی کدوکاوش سے مرحومہ کے حالاتِ زندگی اور موت کے واقعے کو بڑی خوب صورتی سے نظم کیا ہے۔

میں اپنے بزرگ دوست اور مخلص کرمفرما جناب باقر علی صاحب جوائنٹ ڈائرکٹر وزارتِ محنت کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ موصوف نے امی جان کے انتقال کے دن سے آج تک برابر ہماری رہنمائی کی اور قیمتی مشوروں سے نوازا۔ اور خصوصاً اس کتاب کی بروقت اشاعت آپ ہی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

میں جناب فیاض علی صاحب کا ممنون ہوں کہ آپ نے اس کتاب کی کتابت کی اور اپنے دوسرے کام پس پشت ڈال کر اس کام کو مقدم کیا اور علاوہ کتابت کے ایک مضمون مرحومہ کے متعلق خود بھی تحریر فرمایا۔

میں تاج آرٹ پریس کے منیجر کرنل سے اے حنیظ کا بے انتہا ممنون ہوں کہ آپ نے پریس کے ٹائم ٹیبل کو نظر انداز کرکے اس کتاب کی طباعت پہلے اور بر وقت کروائی۔ ورنہ اس کتاب کی اشاعت میں کئی ماہ کی تاخیر ہو سکتی تھی۔

میں اپنے خسر معظم مولانا عابد شبیر صاحب قبلہ مجتہد العصر کا بھی ممنون ہوں کہ موصوف نے کتاب کی پروف ریڈنگ میں میری معاونت فرمائی۔

آخر میں میں اس بات کی وضاحت بھی کرنا چاہتا ہوں کہ اگرچہ اس کتاب کا ناشر یہ ناچیز ہے۔ اس کی تالیف، تدوین، ترتیب اور تشکیل برادرِ عزیز ضمیر اختر سلمہٗ کی کئی ماہ کی دن رات کی محنت کا نتیجہ ہے۔ مضامین کا جمع کرنا، کاتب کی فراہمی اور پریس کا کام یہ سب ضمیر میاں ہی کر سکتے تھے اور انھی نے کیا۔

زیادہ تر شعرائے کرام جنہوں نے قطعاتِ تاریخ ارسال فرمائے۔ یہ ضمیر میاں ہی کے ذاتی تعلقات کی بنا پر ہے

جس محنت اور احتیاط سے سلمہٗ نے امی جان کے خطوط، کلام، گھر والوں کی تصویریں وغیرہ جمع کی ہیں وہ قابلِ ستائش اور میرے لئے باعثِ صد افتخار ہے۔

سید محسن اختر نقوی

71 Grenville Road, NEW ADDINGTON, Surrey

صحت نامہ

صحیح	غلط	صفحہ
بیٹے کے نام	آخری سطر۔ بیٹے کا نام	۱۸
کے لئے آتے	سطر۱۲۔ دیئے آتی	۳۶
کی خبر وحشت اثر	سطر۹۔ وحشت اثر کی خبر	۴۰
گمئیں	سطر۱۲۔ گئی	۴۴
اس	سطر۸۔ یہ	۴۷
مبتلا	شعر۳۔ مبتلا ے	۵۵
توے	شعر۸۔ ثوے	
دیکھنا وہ ماں کی طرف	شعر۲۔ وہ دیکھنا ماں کی طرف	۵۶
مستثنیٰ	شعر۱۔ مستثنیٰ	۵۸
والائے	شعر۲۔ ولائے	۵۹
محشر	″ ۳۔ حشر	″
ہل اتیٰ	شعر۸۔ ہل اتیٰ	۶۱
ربیع الاولین	شعر نمبر۲۔ ربیع الاول	۶۱
ؐ	شعر نمبر۱۔	۶۲
غزدوں	شعر۲۔ غزدوں	۶۳
پس منظر	سطر۱۷۔ پسِ منظر	۷۲
مجریٰ	سطر۱۳۔ مجرمی	۷۳

۷۵	سطر ۴۔ بیگم ظہیر حسین نقوی	بیگم ظہیر حسن نقوی
	سطر ۶۔ "	"
	سطر ۱۹ شفیہ	شفیعہ
۸۹	سطر ۴۔ کرۂ ارض	کرہ ارض
۱۰۸	سطر ۲۔ تعویز	تعویذ
۱۰۹	سطر ۷۔ ۷ رمضان ۱۹۶۳ء	۷ رمضان ۱۳۸۲ھ
۱۱۲	سطر ۴۔ عزا	اعزاء
۱۱۴	سطر ۱۹۔ فاطمہ زہراؑ	فاطمہ زہراؑ
۱۱۷	سطر ۱۲۔ رجب ۱۹۷۴ء	رجب ۱۳۹۴ھ
۱۲۶	سطر ۱۷۔ عجیب ماں ماں	عجیب ماں
۱۵۶	سطر ۱۰۔ وفائے زینبؑ	وفائے حضرت زینبؑ
۱۵۹	شعر نمبر ۱۔ وحیٔ	وصیٔ
۱۶۴	شعر نمبر ۱۔ چتون شبر کی	چتونیں شبر کی
۱۸۲	سطر ۳۔ فاطمہ میرا ٹکڑا ہے ایک دل کا۔ ۲	فاطمہ میرے دل کا ٹکڑا ہے۔
۱۸۲	سطر ۴۔ اس نے مجھ کو اذیت دی۔ ۲ بار	اُس نے مجھ کو اذیت دی
۱۸۳	سطر ۱۔ رتے	رشتے
۱۸۴	سطر ۱۰۔ غصائے	عصائے پیری
۱۸۵	سطر ۱۸۔ بہ یک ساتھ	بہ یک وقت
۱۹۳	سطر ۵۔ شاگردہ	شاگرد

۱۹۳	سطر ۳ - علم فقہیہ	علم فقہ
۱۹۴	سطر ۲ - جیلوں	جیالوں
۱۹۵	سطر ۱۵-۱۴ - ابن حضرت امام علی نقیؑ	ابن حضرت امام علی نقی۔ آپ
۲۰۲	سطر ۱۸ - وردوزی	زردوزی
۲۰۷	سطر ۱۱ - نوابغ الحزن	نوابغ لا احزان
۲۰۸	سطر ۸ - مجلس پڑھا	مجالس پڑھیں
۲۱۶	سطر ۱۰ - پوزیشن	ڈویژن
۲۲۲	آخری سطر - سلسلہ	صلہ

نوٹ: صفحہ ۵۰-۵۱ نادرہ اور شہلا محسنہ بیگم کے رشتے کے بھائی پروفیسر سید ذوالفقار الحسنین (سابق صدر شعبہ نباتیات جامعہ کراچی) کی بیٹیاں ہیں۔

نوٹ - بلند اور زہرا جہاں جہاں لکھا ہوا ہے اُسے بلند اور زہراؑ پڑھا جائے۔



عزاخانہ سیدالشہداء

اس مقام پر محسنہ بیگم کا انتقال ہوا